سیرت

مولانا عبدالاول رحمۃ اللہ علیہ جونپوری

مرتبہ

[illegible] مولانا عبدالباطن

جونپوری

سیرت

مولانا عبدالاول رحمۃ اللہ علیہ جونپوری

مرتبہ

مولانا ابو البشرؒ و مولانا عبدالباطن

جونپوری

R 3/50

طبع اول ایکہزار   سنہ ۱۳۷۰ھ   قیمت ~~ایک روپیہ آٹھ آنہ~~

۷۸۶

انتساب

سیرت ہذا کو دنیائے اسلام کے

جملہ مصنفین اور تمام حفاظ امت محمدیہ صلعم

کے نام منسوب کرتا ہوں۔ اس لئے

کہ خود صاحب سیرت ہندوستان کے

بلند پایہ مصنف اور حفظ قرآن کے

بہت بڑے محرک اور عاشق قرآن تھے

عبدالباطن جونپوری
یکم ذیلقعد ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین سیرت ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

صاحب سیرت حضرت مولانا عبد الاول رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف کے لئے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ آپ ہندوستان کے زبردست عالم، مورخ اور ادیب تھے، نیز آپ اکیس ۲۱ سے زائد کتابوں کے مصنف بھی تھے، آپکی لکھی ہوئی کتابیں پڑھکر لوگ عالم، مفتی، مورخ اور ادیب بن گئے۔

آپ نے تینتس ۳۳ سال تک بنگال و آسام میں تبلیغی دورہ کرکے اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کیا، آپ کی تحریر و تقریر سے دنیائے اسلام کو بڑا فائدہ پہونچا۔

ہندوستان کے مشہور مبلغ اور بنگال و آسام کو جہالت و گمراہی سے نجات دلانے والے بزرگ حضرت مولینا کرامت علیؒ جونپوری قدس اللہ سرہٗ آپ کے والد محترم ہیں، جن سے ہر دیندار اچھی طرح واقف ہے۔

مولانا عبد الاول صاحبؒ کی جلالت شان اور عظمت و

مرتبہ کا اندازہ سیرت ہذا کے مطالعہ سے معلوم ہو گا۔

اس موقعہ پر سیرت نگار کا تعارف بھی ضروری ہے جن کا نام نامی مولانا حافظ ابوالبشر صاحب ہے، آپ خاندان کرامیہ کے قابل فخر بزرگ تھے، علمی استعداد، تقویٰ و پرہیزگاری، فہم و تدبر، تقریر و تحریر اور خداداد قوت حافظہ میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔

مولانا ابوالبشر مرحوم رشتہ میں حضرت مولانا عبدالاول صاحب کے بھانجے اور عمر میں کچھ چھوٹے اور بچپن کے ساتھی تھے، عہد طفلی سے آخیر وقت تک دونوں حضرات کی محبت و اخلاص میں کبھی فرق نہ آیا۔ سفر میں مکاتبت اور قیام وطن کے زمانہ میں مجالست کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، دونوں حضرات کی مجلسیں علمی مذاکرے، ادبی گفتگو میں ہمیشہ گرم رہتیں جس میں کبھی کبھی مزاح کی چاشنی بھی ہوتی۔ دونوں حضرات کے مکتوبات بھی نظر سے گذرے اس میں بھی یہی شان علمی ادبی نظر آئی۔

۱۲ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ میں حضرت والد محترم کا انتقال ہوا وفات کے بعد برادر محترم مولانا ابوالبشر صاحب سے جب

ملاقات ہوئی تو احقر نے اُن سے والد مرحوم کی سوانح حیات لکھنے کی درخواست کی، چونکہ مولانا ابوالبشر صاحب ہر لحاظ سے اس کے اہل تھے، اس لئے میری نظر انتخاب انھیں پر جا پڑی، احقر کے اصرار اور خود سیرت نگار کو صاحب سیرت کی محبت نے اس فریضہ کی ادائیگی پر مائل کیا وہی محبت آج بہ شکل "سیرت مولانا عبدالاول" آپ کے پیش نظر ہے۔

مولانا ابوالبشر صاحب نے اس سوانح کو حالت سفر میں اپنی یادداشت سے لکھا اور زیادہ تر وہی حالات تحریر میں لائے جو خود اُن کا مشاہدہ تھا یا اُس کا اُن کو ذاتی علم تھا۔ صاحب سیرت کے بہت سے علمی کارنامے اور دینی خدمات اور سبق آموز واقعات جو کہ سیرت نگار کے حافظہ میں مستحضر نہ تھے حوالہ قلم نہ ہو سکے۔

بعض ایسے واقعات جن کا سیرت ہذا میں ہونا ضروری تھا مرحوم کو اُس کے لکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ یہ خاکسار کوشش کرے گا کہ یہ کمی پوری ہو جائے۔ چنانچہ مفید اضافہ، بعض کتابوں کے لکھنے کے اسباب، ذکر اسناد، ذکر نسب، تلاوت قرآن،

ذکر وفات، ذکر تصانیف مطبوعہ و تصانیف غیر مطبوعہ، وصیت نامہ، ذکر اولاد اور ان کی ولادت کی تاریخیں، ان چیزوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اسی طرح اپنی واقفیت کی بناء پر بعض ایسے واقعات کا اضافہ بھی کر دوں گا جو لائق استفادہ ہونگے۔

میری یہ خواہش تھی کہ حضرت والد محترم کے عربی و اردو مکتوبات اور بعض خط نسخ و خط نستعلیق کی تحریروں کا عکسی فوٹو اور اُن کے کمال فن خطاطی سے اہل علم کو روشناس کراؤں لیکن بعض مشکلات حائل ہیں اس لئے سیرت ہٰذا میں ان چیزوں کو شامل کرنے سے معذور ہوں، اشاعت ثانی اس کے لئے زیادہ موزوں ہو گا۔

خاکسار

عبدالباطن بن علامہ اجل مولانا عبدالاول رح

جونپوری

از بیت الامن، ملا ٹولہ جونپور

یکم ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحمید و تمہید

حمد کے قابل وہ ذات جامع الصفات ہے جس نے صفحہ عدم پر نقش ہستی کو بنایا اور لفظ کن سے مخلوقات کو موجود فرمایا پھر ان میں سے جب جس کو چاہا حرف غلط کی طرح مٹایا۔ غرض ہر آن اُس کی ایک انوکھی شان ہے۔ جس سے بڑے بڑوں کی عقل حیران ہے۔ اور درُود و سلام کے لائق اس کے خاص حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو ذریعۂ ہدایت اور وسیلۂ نجات ہیں۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے ایک ضروری اور قیمتی مضمون جو ایک مختصر تمہید کے بعد عرض کیا جاتا ہے متوجہ ہو کر پڑھئے اور سُنئے۔

مشاہیر کی سوانحعمریاں کیوں لکھی جاتی ہیں

واضح ہو کہ اس عالم فنا میں کتنے برگزیدہ اور نامور لوگ پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کے ایام پورے کر کے چل بسے۔ لیکن وہ

لوگ جن کے کارنامے اور واقعات اور کیفیات زندگی و سوانح حیات کو مورخین نے اپنی جمع کردہ تواریخ میں ضبط کیا ہے اگرچہ جسماً یہ لوگ فنا ہو چکے مگر اسماً باقی اور زندہ ہیں۔ کما قیل ؎

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے نماند کہ نوشیرواں نماند

مورخین نے تواریخ میں دو قسم کے لوگوں کے اذکار کو اختیار کیا ہے۔ ایک وہ جن کو دنیاوی شہرت اور جاہ و منزلت حاصل تھی۔ دوسرے وہ جن کو دینی امتیاز نصیب تھا۔

جس طرح دین اور دنیا میں باہم تفاوت اور فرق ہے اسی طرح اہل دنیا اور اہل دین کے فرق و امتیاز کو سمجھئے۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ ان دونوں قسموں کے لوگ اپنے کمالات ذاتیہ کے سبب اس قابل سمجھے گئے کہ ان کا تذکرہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا جائے اور صفحہ تواریخ میں اُن کو جگہ دیجائے کیونکہ کمالات دینیہ یا کمالات دنیاویہ ہی سے لوگوں کو امتیاز اور شہرت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

بعض دنیاوی نفسانی اسباب بھی شہرت کا سبب بنجاتے ہیں جو حقیقت میں معائب ہوتے ہیں لیکن ان کے تذکرہ سے عبرت

د تذکرہ منظور ہوتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اس قسم کے بداخلاق و بدکردار اور ظالم اور خونخوار لوگ پہلے بھی گذرے ہیں اور اگلے لوگوں نے ان سے کس طرح کے معاملات کئے اور کیسے صبر و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر دین کو دنیا پر کس طرح مقدم کرتے رہے۔

غرض تواریخی صفحات پر اہل دنیا اور اہل دین دونوں کے کارنامے اور سوانحات کا نشان ملتا ہے جس کا اصلی فائدہ یہ ہے کہ انسان اُن واقعات ماضیہ کو دیکھکر تجربہ حاصل کرے اور دنیا میں گذر کرنے کا طریقہ سیکھے۔ مثلاً کوئی شخص علم سیکھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آرہی ہیں تو وہ اسلاف کے تذکروں میں اہل علم کے واقعات اور اُن کے طریق تعلم کو معلوم کرے گا تو وہ جان لے گا کہ بہ نسبت اس زمانہ کے سابق ایام میں ایک مقام سے دوسرے مقام میں سفر کرنا بھی مشکل تھا۔

یا آج کل کسی اہل کمال پر کوئی مصیبت اور سختی آپڑے تو وہ تواریخ میں اس بات کو دیکھ سکتا ہے کہ حضرات انبیاءؑ اور ان کے متبعینؒ اور حضرات صحابہؓ اور مجتہدینؒ اور مشائخ کرام اور سادات عظام کے ساتھ بھی اعدائے دین اور کفار و فساق، مشرکین و مبتدعین نے

اس قسم کے معاملات کئے اور آخر کو ظالم و مظلوم دونوں گذر گئے۔ صرف نیکنامی و بدنامی کا قصہ قیامت تک کے لئے باقی رہ گیا۔ اسی طرح ہمارے زمانہ کے کل واقعات بھی زمانہ کی فنا ہونے والی تیز رفتار کے ساتھ فنا ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اجل مسمیٰ پہ جا کر بالکل معدوم ہو جائیں گے۔ البتہ ان کا تذکرہ لوگوں کی زبان پر اس طرح باقی رہ جائے گا جس طرح فونوگراف کے تختوں کے نقوش ہمیشہ سامعین کیلئے پرانے واقعات اور گائے ہوئے گیت کو جدید اور تازہ بنا دیتے ہیں۔

میں اپنے خیال اور ناقص معلومات کی بنا پر یہ گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت اہل دنیا کے اہل دین کے تذکروں کا ذخیرہ زیادہ تر محفوظ کیا گیا ہے۔ کیونکہ کمالات دنیاوی کمالات دینی کے ظل اور سایہ ہیں۔ اور تمام کمالات کے اندر کمالات علمیہ کو اصل الاصول مانا گیا ہے اور جتنے کمال ہیں سب کے سب کمالات علمیہ کے تابع اور تحت میں ہیں۔

چونکہ ہر اصل کو اپنے ظل اور اپنی فرع پر فوقیت ذاتی حاصل ہے اس لئے دینداروں اور علم والوں کو اور اُن کے تذکروں کو دنیا والوں اور اہل جاہ پر اور اُن کے تذکروں پر برتری و فوقیت حاصل ہے

اور ایسے لوگ چونکہ بوجہ اپنے کمالات کے مرجع خلائق اور مقبول انام ہو جاتے ہیں اس لئے اُن کی مقبولیت و برگزیدگی اور اُن کی شہرت خود اسبات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اُن کے سوانحات و واقعات زندگی کو صفحۂ تواریخ میں لکھکر اُن کے نام و نشان کو زندہ اور باقی رکھا جائے۔ اسی بناء پر یہ خاکسار آج ایسے نامور اور مشہور عالم عالم کے تذکرے کو قلم بند کرنیکی جرأت کر رہا ہے۔ جن کے اوصاف ذاتیہ خود متقاضی اس بات کے تھے کہ اُن کے سوانحات کا ذخیرہ موجودہ و نیز آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے محفوظ کر دیا جائے جو اس ناکارہ عاجز کے لئے بھی ایک یادگار ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق۔

آغاز مقصود

وہ معزز نامور اور فاضل اشہر کون شخص ہیں۔ میرے مکرم بزرگوار مقبول انام مولانا حافظ عبدُ الاوّل صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جن کو حضرت ہادی زماں مولانا شاہ کرامت علی صاحب قدس اللہ سرہ کے فرزند اصغر اور لخت جگر ہونے کا فخر نسبی حاصل تھا اس ہیچمیرز احقر ابو البشر غفر اللہ لہ کو مولانا ممدوح صاحب تذکرہ سے

چند تعلقات اور وسائط اتحاد ایسے تھے جن کی وجہ سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جناب ممدوح مرحوم کے واقعات کا قلم بند کرنا میرے لئے ان تعلقات اور وسائط کے حق واجبی کو ادا کرنا ہے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ اول تو ممدوح کے کل سوانحات زندگی علی وجہ التفصیل معلوم نہیں کیونکہ آپ کی زندگانی اور عمر کا اکثر حصہ ملک بنگال کے مسلمانوں کی ہدایت اور تعلیم و تربیت اور سیر و سیاحت میں بسر ہوا۔

دوسرے جس قدر واقعات معلوم بھی ہیں تو ان سب کا یکجا کرنا اور ترتیب دینا میرے ایسے کج مج بیاں ہیچمیداں کی قدرت سے باہر ہے۔

لیکن ادہر ان تعلقات کے حقوق کا طبیعت پر تقاضا اور ادہر مرحوم ممدوح کے فرزند رشید مولوی محمد حماد و عبد الباطن سلمہما اللہ المہیمن کی خواہش اور تمنا اور فرمائش۔ لا محالہ ان دونوں تقاضوں کی تعمیل کے لئے قلم اٹھانے کی جرأت کرتا ہوں۔

پیدائش و ایام طفولیت

واضح ہو کہ جناب مولانا عبدالاول صاحب مرحوم کے والد ماجد حضرت ہادی زماں جناب غفران مآب مولانا کرامت علی علیہ الرحمہ کو اپنے مرشد امیر المومنین حضرت سید احمد غازی بریلوی قدس اللہ سرہ کے اشارہ سے ملک بنگال کی ہدایت کا کام سپرد تھا اور خداوند تعالیٰ شانہ آپ کو اس ملک کا ہادی اور رہنمائے دین بنایا تھا۔

ابتدائً جب حضرت مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنگال تشریف لائے تو وہ ایسا زمانہ تھا کہ ہندوستان سے بنگال کا آنا یا ایک ملک سے دوسرے ملک کا جانا بہت دشوار تھا اور اُس وقت دیار بنگال کا حال یہ تھا کہ دین سے بالکل بے خبر اور طریق سنت سے بالکل علیحدہ تھے۔ مسجدیں ویران تھیں۔ نمازیوں اور اہل شریعت کا وجود مفقود تھا۔ شرک و بدعت کو دستاویز عمل اور اصل الاصول سمجھے ہوئے تھے۔

جب مولانا مغفور نے مذہبی وعظ اور دینی احکام سنانا شروع کیا تو ابتدا میں سب کے سب دشمن ہو گئے اور مقابلہ اور جنگ و جدال پر آمادہ ہو کر سامنے آنے لگے لیکن دوبارہ سہ بارہ نرمی

اور حسن اخلاق سے سمجھانے سے گاؤں کا گاؤں قریہ کا قریہ مان جاتا اور توبہ کر کے نماز روزہ پر مستعد ہو

پھر تو یہ نوبت ہوئی کہ ضلع کا ضلع بیعت کر کے تجدید دین کرتا اور شریعت کا تابعدار بنجاتا۔ آخر اسی طرح ہدایت کرتے ہوئے جسر کھلنا، بیریسال، نواکھالی، چاٹگام، سلہٹ، ڈھاکہ، میمن سنگھ، بگوڑا، پابنا، ندیا، رنگپور، پورنیہ، مرشد آباد وغیرہ ہوتے ہوئے اپنے شہر جونپور میں واپس ہوئے۔ مولانا ممدوح اعلیحضرت کا یہ سفر اٹھارہ سال کا ہوا۔ واقعی اتنے شہروں اور اضلاع کی ہدایت کے مقابلہ میں اٹھارہ سال کا زمانہ کچھ بھی نہیں۔ انبیا سابقین علیہم السلام کے واقعات دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ صدہا سال کی کوشش سے بھی لوگوں نے ہدایت قبول نہیں کی تھی اور بعض نبی کی ساری عمر کی ہدایت سے بھی اُن کی امت کی تعداد سو دو سو سے زیادہ نہو سکی۔

یہ تو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و وراثت کا اثر تھا کہ اتنے قلیل زمانہ میں ملک کا ملک شریعت کا تابعدار بن گیا اور یہ اثر قیامت تک وراثت النبیؐ کے ذریعہ ظاہر ہوتا رہیگا اس ہدایت تام کو دیکھکر حضرت جد ناو عم امنا جناب مولانا

کرامت علی صاحب علیہ الرحمہ کا وارث النبیؐ اور قطب الارشاد ہونا بلا ارتیاب تسلیم کیا گیا۔

اسی طرح بنگال کا سفر اور رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری تھا کہ حضرت مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ کا جون پور سے آخری سفر تقریباً ۱۲۸۰ھ میں واقع ہوا پہلے کلکتہ میں چند سے قیام فرمایا پھر اضلاع بنگال کے مختلف مقامات طے کرتے ہوئے ۱۲۸۱ھ میں مقام سندیپ ضلع نواکھالی میں تشریف لے گئے تو وہاں بروز چہارشنبہ بوقت عصر پوتے پر جناب مولانا حافظ عبدالاول صاحبؒ پیدا ہوئے۔

جناب مولانا مصلح الدین احمد صاحب جونپوری مرحوم مغفور فرماتے تھے کہ بعد ولادت کے جب اعلیٰ حضرت نے اپنے فرزند ارجمند کو دیکھا تو از راہ فراست فرمایا کہ یہ لڑکا صاحب قلم ہوگا اور نام عَبْدُ الْاَوَّلْ رکھا۔

چنانچہ حضرت مغفور کا ارشاد صادق آیا کہ مولانا عبدالاول صاحبؒ کو ابتدا سے نوشت و خواند کے ساتھ خاص دلچسپی اور مناسبت تھی۔ اور بعد تحصیل علم کے صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے اور آخر عمر تک قلم ہاتھ سے نہیں رکھا۔

ولادت کے بعد سے سات برس کے سن تک اپنے والد ماجد کے زیر سایہ رہے اور سورہ الم ترکیف تک سبقاً سبقاً اعلیٰحضرت ہی سے تعلیم پائی۔ اور مختلف مقامات کی آیات اور سورتیں بھی جو اعلیٰحضرت نمازیں پڑھا کرتے تھے سُن کر یاد کر لیئے تھے۔

والدین کی وفات اور یتیمی

آخر ۱۲۹۰ھ میں جب اعلیٰحضرت مولانا شاہ کرامت علی صاحب رنگپور پہنچے اور یہ غالباً اعلیٰحضرت کا تیسرا یا چوتھا سفر تھا۔ اور آپ کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولانا مصلح الدین احمد صاحب جونپوری بھی آپ کے ساتھ تھے۔ غالباً ربیع الثانی کا چاند دیکھکر فرمایا کہ میرے والد نے اسی طرح ایک بار پہلی شب کا چاند دیکھکر فرمایا تھا کہ میرے کسی بزرگ نے چاند دیکھکر فرمایا تھا کہ نہ معلوم اس مہینے میں کون کون لوگ دنیا سے رخصت ہوں گے۔

مولانا مصلح الدین صاحبؒ فرماتے تھے کہ اعلیٰحضرت نے یہ ارشاد فرما کر فرمایا کہ پھر اسی مہینے میں میرے والد مرحوم نے انتقال فرمایا تو مجھے خیال ہوا کہ والد صاحب نے جو چاند دیکھکر یہ قصہ بیان فرمایا تو گویا اپنے انتقال کا بھی اشارہ تھا۔

مولانا مصلح الدین احمد صاحب فرماتے تھے کہ اعلیٰحضرت کا وصال بھی اسی ماہ میں ہوا تو میں نے سمجھا کہ چاند دیکھکر جناب مغفور کا ایسا فرمانا گویا اسی ضمن میں اپنے وفات کی بھی خبر دینی تھی۔[۱]

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی وفات

جب سنہ ۱۲۹۰ھ میں جناب ممدوح رنگپور پہنچے تو وہاں ایک بددین اور بدعتی شخص سے کچھ جھگڑا درپیش ہوگیا جب نزاع زیادہ بڑھی تو رفع نزاع اور فیصلہ کے لئے مناظرہ کی مجلس قرار پائی اور تاریخ متعین ہوئی۔

اتفاق سے تاریخ مناظرہ سے پہلے اعلیٰحضرت کو بخار شروع ہوا اور تاریخ معینہ پر بوجہ ضعف کے جانے سے معذور رہے۔

تب فرمایا کہ میاں مصلح الدین کو بلاؤ۔

اس وقت تک جناب مولانا مصلح الدین صاحب کے درسیات عربیہ

---

[۱] عجیب بات ہے کہ اس قصہ کو جناب مولانا مصلح الدین صاحب نے بھی پہلی شب کا چاند دیکھکر بیان فرمایا تھا پھر اسی ماہ میں اچانک فجر کے وضو کے بعد ہی چند ساعت کے اندر وفات پاگئے اور سراج گنج ضلع پٹنہ میں مدفون ہوئے

بالکل ابتدائی درجہ پڑھتے البتہ فارسی کا درس تمام فرما چکے تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میاں مصلح الدین آج مناظرہ کی تاریخ ہے اور میں بوجہ بخار اور ضعف کے نقل و حرکت سے معذور ہوں۔ تم فلاں فلاں کتابوں کے فلاں صفحات کو نکالو اور ان مقامات کو دیکھو اور مجھ سے خلاصہ ان مضامین کا سن کر سمجھ لو اور جا کر مناظرہ کر کے چلے آؤ۔ عرض کیا کہ حضرت باوجود میری کم علمی اور بے بضاعتی کے ایسے مشکل اور سخت کام کے لئے مجھے ارشاد فرماتے ہیں۔ فرمایا ہاں میں حکم دیتا ہوں تم خدا کے بھروسہ پر جاؤ اور مناظرہ کرو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ یہ حکم پا کر جناب مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم مقام مناظرہ میں تشریف لے گئے۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو جواب کے لئے مولانا کو ذرا بھی تردد نہ ہوا۔ کیونکہ تمام اعتراضات اور سوالات کے جوابات وہی تھے جو اپنے مرشد اور چچا صاحب سے سمجھ کر آئے تھے۔ غرض نہایت جوش اور ہمت کے ساتھ گفتگو کر کے مناظرہ میں فتحیاب ہو کر واپس آئے۔

ادھر مرشد زماں حضرت قطب الارشاد اعلیحضرت کی علالت ممتد ہو کر بعض آثار سے معلوم ہوا کہ عنقریب دار فنا سے دار البقا کی جانب تشریف لیجانے والے ہیں۔ آخر بماہ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

جمعہ کے دن آپ نے اپنی تمام اولاد کو اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو خدا کے حوالہ کر کے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل الی اللہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب وفات کی خبر پہونچی تو لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ مٹی دینے کی گنجائش ہر کسی کو نہ ہوئی تھی کسی نے مجمع میں بمشکل گھسکر ایک مٹھی مٹی پھینکی اور کسی کو جانے کا دسترس نہ ہوا تو دور سے مٹی پھینک ماری۔ اور بعض نے درختوں پر چڑھ کر اپنی تمنا پوری کی۔

گویا مولانا مصلح الدین صاحب کی خلافت کی ابتدا اسی روز سے ہوئی جبکہ اپنے مرشد کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز کا کل انتظام آپ کے ذمہ ہوا۔ اعلیحضرت کا مزار اقدس رنگپور میں منشی باڑہ کی مسجد میں زیارت گاہ عامہ مومنین ہے

والدہ ماجدہ کا انتقال

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ جناب مولانا عبد الاول صاحب رح کی والدہ محترمہ کو اسی قسم کا بخار اور مرض کا دورہ شروع ہوا۔ آخر چند ایام کے بعد بی بی صاحبہ کا بھی وہیں انتقال ہوا اور اسی جگہ یہ بھی مدفون ہوئیں۔

زمانہ تعلیم و تربیت

والدین کے وفات کے بعد زمام تعلیم و تربیت جناب مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم کے متعلق اور ان کے ہاتھ میں رہا اور وہ مقام رنگپور سے مولانا عبدالاول صاحب اور ان کے بھائی بہنوں کو لے کر جون پور تشریف لائے اور مولانا عبدالاول صاحب کو حفظ قرآن پاک کے لئے اپنے بھائی رئیس الحفاظ مولانا حافظ محمد احسن صاحب بصیر کے سپرد کیا اور خود کتب عربیہ کی تکمیل کے لئے اپنے استاد و برادر عمزاد جناب مولانا حافظ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اختیار کی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یہ ناکارہ بھی قرآن شریف انہی حضرت کی خدمت میں پڑھ رہا تھا

اس وقت جناب حال مکرم استاد معظم مولانا حافظ محمود صاحبؒ کا یہ معمول دیکھا کہ بعد نماز فجر کے اشراق کے وقت سے قرآن پاک کا درس دیتے اور بعد اختتام اسباق کے پارہ دو پارہ آموختہ سنتے۔ پھر عربی کا درس شروع فرماتے اور بعد ظہر کے مستقل طور پر عربی کا درس دیتے تھے۔

جناب مولانا مصلح الدین صاحب جب کتب ضروریات و

دینیات پڑھ کر فارغ ہوئے اور ملکہ علمیہ پیدا ہوا۔ تو اولاً بحکم اپنے استاد کے مکان میں پہلا وعظ کہا جس کو سامعین نے پسند کیا اور اطمینان ظاہر کیا۔ پھر کسی ضرورت سے شہر بنارس تشریف لے گئے تھے وہاں ایک بزرگ اور مشہور عالم لکھنؤ فرنگی محل کے رہنے والے مولانا قطب الدین صاحب تشریف رکھتے تھے۔ جب جامع مسجد میں مولانا سے ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ نوجوان مہمان حضرت مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں تو بعد نماز جمعہ لوگوں سے کہا کہ صاحبو ٹھہر جاؤ جونپور کے ایک عالم وعظ فرمائیں گے۔ جب آپ نے وعظ بیان فرمایا تو سامعین نے نہایت دلچسپی سے وعظ سنا۔ اور اسی روز چند محلوں سے لوگ وعظ کی دعوت دینے کو آئے۔ مگر زیادہ توقف کا موقع نہ تھا اس لئے بقدر گنجائش دعوت قبول فرمائی پھر مکان پر مراجعت فرمائی۔

جن لوگوں نے ان کا وعظ سنا ہے وہ اب تک یاد کرتے ہیں واقعی وعظ گوئی کا ایک ملکہ خداداد ان میں عطا کیا گیا تھا۔

آپ کے برادر اصغر مولانا محمد محسن صاحب مغفور فرماتے تھے کہ بھائی صاحب کا وعظ جناب چچا مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا نمونہ تھا۔ مولانا عبد الاول صاحب فرماتے تھے کہ

ہیں نے وعظ گوئی کا طریقہ اپنے مربی مولانا مصلح الدین صاحب سے اغذ کیا ہے۔

جب مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم عازم سفر بنگال ہوئے تو اپنے ساتھ مولانا عبدالاول صاحب مغفور کو مع اُن کے استاد مولانا حافظ محمد احسن صاحب سلمہ اللہ کے لیا۔ اس سفر میں برابر حفظ قرآن پاک کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ بعد وفات مولانا حافظ محمود صاحب مرحوم کے جب مکان پر واپسی ہوئی تو بقیہ حصہ قرآن پاک کا یہاں حفظ کر کے فارغ ہوئے۔

جب مولانا بنگال گئے اس وقت یہ عاجز حضرت مولانا حافظ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک پڑھ رہا تھا چنانچہ سورۂ حجرات کے اول رکوع تک پڑھا تھا کہ حضرت استاد ممدوح نے یکایک انتقال فرمایا۔ اس وقت کا رنج والم ناقابل اظہار ہے۔

آخر بقیہ قرآن شریف جناب خال مکرم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ مولانا محمد محسن صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں تمام کیا۔

جب رمضان ۱۲۹۷ھ میں مولانا عبدالاول صاحب کیلئے لاٹولہ کی مسجد اور احقر کاتب کے لئے بازار کہنہ کی مسجد تجویز ہوئی تو اول شب میں مولانا نے نہایت تیزی سے پڑھنا شروع کیا

جس کو اُن کے مربی مولانا مصلح الدین صاحب مغفور نے پسند نہ فرمایا
بعض لوگوں نے کہا بھی کہ ابھی عادت نہیں آئندہ پھر ٹھہر کر پڑھنے
لگیں گے۔ مولانا مصلح الدین صاحب نے فرمایا کہ میری رائے
ہے کہ ختم روک دیا جائے اور ایک سال کی مہلت دیجائے کہ خوب
اطمینان سے پڑھیں۔ خدا کی شان یہ تجویز نہایت موثر ہوئی کہ ختم
روک دینے سے مولانا کو ایک لاگ پیدا ہو گئی۔ پھر سارے قرآن
پاک کو ایسا یاد کر ڈالا کہ بے تامل جس جگہ سے چاہتے پڑھ جاتے
آخر رمضان ۱۲۹۸ھ میں سارا قرآن پاک بڑے لطف کے
ساتھ سنایا۔ اسوقت یہ احقر بمعیت جناب ارشاد مآب مولانا
محمد عبد القادر صاحب شہر کمرکہ میں تھا اور وہاں شجاع بادشاہ
کی مسجد میں ایک ختم سنانے کا اتفاق ہوا تھا۔

مولانا ممدوح کا پہلا ختم دس روز میں ہوا تھا۔ جیسا کہ
"فضائل بسم اللہ" کے آخر میں خود تحریر فرمایا ہے۔ کہ
پہلا ختم دس روز میں اپنے محلہ کی مسجد میں سنا دیا اور
میری اقتدا میں سارا قرآن پاک برادرم مولینا
مصلح الدین و برادرم مولانا محمد محسن رحمہما اللہ بمعیت
استاد مکرم با جماعت کثیرہ سنکر بہت خوش ہوئے

پھر دوسرے سال ۱۲۹۹ھ میں بحکم حضرت مولانا حافظ احمد صاحب علیہ الرحمہ جامع مسجد جونپور میں دس دن میں سنایا جس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ روپے بطور انعام کے مرحمت فرمائے تھے۔

پھر تیسرے سال سنہ ۱۳۰۰ھ ہجری حضرت مولینا مصلح الدین صاحب کو مقام سلونیا ضلع نواکھالی میں آٹھ روز میں پہلا ختم سنایا پھر دوسرا ختم چوموہانی ضلع نواکھالی میں اور تیسرا ختم جوانی گنج میں سنایا۔

پھر چوتھے سال سنہ ۱۳۰۱ھ میں شہر ڈھاکہ کی جامع مسجد چوک بازار میں بحکم مولانا مصلح الدین صاحب مغفور بڑے اطمینان سے ایک ختم سنایا پھر سنہ ۱۳۰۲ھ میں شہر جونپور محلہ ملاٹولہ میں ایک ختم سنانے کا اتفاق ہوا۔ پھر بوجہ مشغولی علوم عربیہ کے پندرہ سال تک رمضان میں ختم سنانے کا اتفاق نہوا۔ اب چھ برس سے ہر سال ایک ختم نماز تراویح میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔

(فضائل بسم اللہ)

زمانۂ تحصیل علوم

مولانا نے بعد حفظ قرآن پاک ۱۲۹۹ھ سے سلسلہ تعلیم جاری کر دیا تھا۔ اور ابتدائً کتب درسیہ فارسیہ کو جناب مولانا مصلح الدین صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھتے رہے۔ پھر جونپور میں اپنے ماموں مولوی محمد عثمان صاحب وکیل سے میزان الصرف شروع کئے۔ اس وقت یہ احقر اپنے ماموں مولانا محمد محسن صاحب علیہ الرحمہ سے میزان پڑھ رہا تھا۔ مولانا عبدالاول صاحب فرماتے تھے کہ اس وقت کا عجب خیال تھا کہ تم کو میزان پڑھتے ہوئے دیکھکر خیال ہوا کہ یہ اپنے ماموں سے پڑھتے ہیں تو میں بھی اپنے ماموں سے پڑھوں گا۔

اسی زمانہ میں مولانا اپنی ہمشیرہ کو لے کر بنگال مولٰینا مصلح الدین صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ چونکہ مولانا کو فرصت نہ تھی اور تعلیم و تربیت کا بیحد خیال تھا اس لیے وہاں ایک لائق اور قابل و جید عالم مولوی محمد حامد صاحب بھوانی گنجی کو بمشاہرہ پچیس روپیہ خاص ان کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور چونکہ بوٹ میں لوگوں کا مجمع رہا کرتا تھا۔ نوشت و خواند کا پورا موقع

نہ ملنا اس واسطے مولانا نے ایک چھوٹا بوٹ خرید فرما کر انکے لیے
خاص کر دیا ابتدائی درسیات صرف و نحو اور علم ادب اور کسی قدر
منطق کی تعلیم کے بعد جونپور واپس آکر کچھ دنوں مولانا محمد محسن صاحب رح
سے پڑھتے رہے۔ پھر شرح ملا جامی حضرت مولانا حافظ
احمد صاحب علیہ الرحمہ سے شروع کی۔ گو مولانا ممدوح رح
کو بالکل فرصت نہ تھی پھر بھی محض خاطر داری سے تا بحث مرفوعات
شرح ملا پڑھا کر بمشورہ مولانا محمد محسن صاحب مغفور شہر لکھنؤ محلہ
فرنگی محل میں مولانا عبد الحی صاحب رح لکھنوی کی خدمت میں روانہ کر دیا
اور اپنے خادم خاص حاجی عبد السبحان مرحوم کو ساتھ کر دیا۔ وہ
وہاں پہنچا کر لوٹے تب حالات معلوم کر کے اطمینان ہوا۔
اس زمانہ میں مولانا عبد الحی صاحب رح لکھنوی کے یہاں درس ادبیہ
کی کتابوں کا ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کے عزیز قریب مولانا حکیم
حافظ نظام الدین سے پڑھنا شروع کیا اور بعض کتب درسیہ
کی قرأت و سماعت مولانا عبد الحی صاحب رح لکھنوی اور مولانا
محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے بھی کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں بقیہ
کتب فارسیہ کو تعطیل اور فرصت کے زمانہ میں مولوی محمد عثمان صاحب
چتاروی سے اور روزانہ معقولات کی کتابیں ملا شاہ زماں صاحب

ولایتی سے پڑھتے رہے۔ اس کے بعد جب جونپور میں آئے تو پھر معقولات کا شوق ہوا اور مدرسہ حنفیہ کے مدرس دوم مولانا سید شبیر علی منطقی بلند شہری کی خدمت میں ملا حسن وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔

فن ادب کے شوق میں کلکتہ کا سفر

بعد ختم معقولات کے عربی ادب کے شوق میں کلکتہ تشریف لے گئے اور حاجی نور محمد سوداگر کے مکان میں قیام فرمایا اور مولانا لطف الرحمٰن صاحب بردوانی سے پڑھنے لگے۔ خدا کی شان مولانا کو اپنے اس جدید استاد سے طبعی مناسبت نہ ہوئی اور ان کی بے پروائی اور بے توجہی دیکھکر جی نہ لگا۔ حالانکہ انہی ایام میں مولانا لطف الرحمٰن صاحب بردوانی ایک تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور وہاں بحالت سفر کوئی پورہی خدمت کرنے والا نہ تھا مولانا میں ہمیشہ سے اپنے متعلقین اور اساتذہ کی ہمدردی کا مادہ تھا۔ نہایت درجہ اپنے جدید استاد کی خدمت میں مصروف ہوئے اور حکیم کے یہاں روزانہ جاتے اور دواؤں کا اہتمام بلکہ کھانے کا انتظام بھی کرتے یہ حسن خدمت

دیکھکر مولانا لطف الرحمٰن صاحب تہ دل سے دعائیں دیتے تھے
اور کہتے تھے کہ مولوی عبدالاول میرے پاس اس حسن خدمت
کا کوئی بدلہ نہیں ہے البتہ اگر خدا نے مجھے اچھا کر دیا تو دیکھنا کہ
میں آپکی علمی خدمت جہانتک میری استعداد ہے کس قدر کرتا ہوں۔
لیکن بعد صحت اس کا ظہور نہیں ہوا۔ آخر مولانا نے درس بند کرکے
دوسری جگہ جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اسی زمانہ میں یہ ناچیز جونپور
سے بقصد زیارت ماموں مولانا مصلح الدین صاحب روانہ
ہوکر کلکتہ پہنچا ماموں صاحب اس وقت نصیرآباد میمن سنگھ
خاص شہر میں تھے۔ مولانا بھی کلکتہ ساتھ ہوئے۔ گوالندو سے
جب نرائن گنج کے جہاز پر سوار ہوئے تو وہاں مومن خانساماں
کی طرف سے بوٹلر وغیرہ تھے انھوں نے دعوت کی اور تکلف کا کھانا
کھلایا اور نرائن گنج میں اترتے وقت کچھ نقد بھی دیا وہاں سے
پہلی گاڑی ڈھاکہ کو آرہی تھی۔ اس پر ڈھاکہ آئے۔ یہاں مغرب
کی نماز کے بعد خاص لوگوں سے ملاقات کرکے پھر عشا کے بعد
میمن سنگھ جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے عجب لطف تھا تمام
شب بات چیت میں گذر گئی۔ صبح کو میمن سنگھ میں اترے۔ قریب
ہی مولانا مصلح الدین صاحب کا بوٹ تھا۔ وہاں پہونچے تو اور

بعض عزیز جونپور کے وہاں موجود تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی احقر کو وہاں قدرے توقف ہوا۔ مولانا وہاں (میمن سنگھ) سے بمشورہ اپنی ہمشیرہ اور اپنے مربی قدیم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے اور خاطر خواہ خرچ سفر عرب کا اُن کو مل گیا۔ اس کے علاوہ ان کی ہمشیرہ محترمہ جنکو باعتبار تربیت و پرورش و تعلیم و تادیب کے قائمقام مادر مشفقہ کا کہنا چاہیئے انھوں نے مخفی طور پر کچھ اشرفیاں دیدیں کہ بحالت طالب علمی ضرورت کے وقت کام آئے گی۔

مکہ معظمہ کا سفر

جب جونپور میں آئے تو بعض مشاغل کے سبب اس سال کا جانا ملتوی ہوگیا۔ ادہر زادراہ میں بھی کمی آگئی وجہ یہ کہ مولانا کی عادت بچپن ہی سے دل کھول کر خرچ کرنے اور عمدہ خوراک اور نفیس پوشاک کی تھی اس لئے جو کچھ سرمایہ سفر عرب کا تھا قریب ختم ہوگیا۔ دوسرے سال مولانا کے حقیقی خالو مولوی حافظ عابد حسین صاحب وکیل نے کہا کہ میرا ابھی ارادہ مکہ معظمہ کا ہے میں تو ایک بار حج کر کے آیا ہوں۔ تمہاری خالہ جانا چاہتی ہیں۔ اُن سے وعدہ بھی کیا ہے کہ تم کو لے کر مکہ معظمہ جاؤں گا۔ تو میں تنہا زنانی سواری لے کر

جانے کی ہمت نہیں کرتا اس لئے مناسب ہے کہ تم بھی تیار ہو جاؤ
اور اپنی خالہ کو لے کر چلو۔ ہم کو بھی آسانی ہو گی کیونکہ تم محرم ہو۔
سواری پر چڑھانے اُتارنے میں مدد دے سکو گے۔

مولانا کی والدہ نے کچھ زمینداری خریدی تھی۔ حافظ صاحب
مذکور کے متعلق اس کا انتظام تھا۔ ایک رعیت کے ذمہ مالگذاری
باقی تھی۔ اس پر ڈگری تھی۔ وکیل صاحب نے اس ڈگری کو
ڈھائی سو روپیہ پر طے کر کے نقد روپیہ وصول کر کے مولانا سے
کہا کہ یہ ڈھائی سو روپئے تمہاری زمینداری سے وصول کئے ہیں
اب تم ہم لوگوں کے ساتھ چلو ہمارا ارادہ بھی ہے دو چار برس
مکہ معظمہ میں قیام کریں گے۔ اب وکالت سے جی بھر گیا۔

حافظ صاحب کے ایک ہی بیٹا تھا جو کچھ دنوں بیمار ہو کر
انتقال کر چکا تھا۔ اس وجہ سے ہر وقت متفکر رہا کرتے تھے۔
مولانا اپنے خالو وکیل صاحب موصوف کے کہنے پر مستعد ہو گئے
اور ان کے حکم سے اپنی خالہ کو اپنے ناہنال موضع بھیرہ ضلع
اعظم گڈھ سے جا کر جونپور اپنے خالو کے مکان میں لائے۔ اور جو
کچھ خرچ سواری کا لگا اپنے پاس سے دیا کہ پھر خالو صاحب سے
مل جائے گا۔ آخر تاریخ معین پر جونپور سے بسواری ریل گاڑی

بمبئی کو روانہ ہوئے۔ حافظ صاحب کے ہمراہ دو ملازم بھی تھے۔

مولانا فرماتے تھے کہ جونپور سے لے کر بمبئی تک اپنی خالہ کو سوار کرانا اُتارنا۔ اون کی ضروریات کی خبر گیری کرنا میرے ذمہ تھا۔ حافظ صاحب بالکل سبکدوش علیحدہ رہتے۔ اسی طرح جہاز میں سوار کرایا۔

مولانا کو جہاز میں کھانے پینے کی ذرا تکلیف ہونے لگی چائے کی بھی عادت تھی اور یہاں ان سب چیزوں کا بندوبست نہ تھا۔ آخر لوٹلر کے پاس جا کر کچھ ناشتہ کیا اور چائے پی کر آئے اور حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ اگر ضرورت ہو تو چائے بسکٹ آپ کے لئے بھی لاؤں۔

حافظ صاحب نے کہا کہ ہم لوگ عرب کے سفر میں چلے ہیں۔ سامنے بڑے بڑے اخراجات ہیں یہ سب فضول خرچی اچھی نہیں۔

مولانا چپ رہے اور اپنی خالہ صاحبہ کے لئے کچھ ناشتہ اور چائے لائے۔ جہاز میں جتنے دنوں رہے یہ معمول برابر آپ کا رہا۔ کبھی کبھی حافظ صاحب کو بھی چائے بسکٹ لا کر دیتے تو حافظ صاحب کھا لیتے۔

جس مقام پر جہاز کو ٹھہر کر تمام مسافروں کو اُتار دیتے ہیں اور صفائی کرتے ہیں وہاں مولانا نے چارپائی تلاش کی آخر کرایہ کی چارپائی مل گئی ایک روپیہ دے کر لائے۔ حافظ صاحب سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے ضرورت نہیں۔ آخر کار شب کو پتہ چلا کہ بغیر چارپائی کے تکلیف ہے۔ اسوقت چارپائی کہاں ملتی۔ حافظ صاحب نے مولانا سے کہا کہ تمہاری خالہ کو چارپائی نہ ہونے سے تکلیف ہے اس وقت مولانا نے اپنی چارپائی اپنی خالہ صاحبہ کو دے دی اور خود زمین پر فرش کر کے سو رہے۔

تحصیل علم کے شوق میں مکہ معظمہ کا قیام

جب قافلہ جدہ سے ہو کر مکہ معظمہ پہنچا تو مولانا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مناسک حج کو ادا کیا بعد حج و زیارت کے مکہ معظمہ میں مقیم ہوئے اور مدرسہ صولتیہ میں مولانا رحمت اللہ ہندی سے ملاقات کی اور ان کا بہ مدرسین اور عرب کے علماء سے اور مولانا عبدالحق صاحب مہاجر سے ملکر اپنے ارادہ کو ظاہر فرمایا۔ ان بزرگوں نے خوب اطمینان دلایا۔ اور مولانا نے استقلال کے ساتھ اسباق شروع کر دیئے۔

ادھر حافظ صاحب کو پھر ہندوستان کی جانب کشش ہوئی اور کہنے لگے کہ اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ ہندوستان چلے جائیں پھر مطمئن ہو کر انتظام کر کے چلے آئیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ لوگ جا سکتے ہیں لیکن میں علم دین کی نیت سے آیا ہوں میں تو نہ جاؤں گا۔

چونکہ حافظ صاحب بھی پہلے عرب میں چند سے قیام کرنے کی نیت سے گئے تھے۔ اس لئے کافی تعداد میں روپیہ پیسہ موجود تھا۔ جب مراجعت کا ارادہ کیا تو وہاں کے مساکین اور مدرسہ وغیرہ مصارف خیر میں کچھ خرچ کرنے لگے اور اکثر رقموں کو مولانا کے ہاتھ سے لوگوں کو دلوایا۔

آخر جب مکہ معظمہ سے چلنے کا وقت آیا تو مولانا کا خیال تھا کہ حافظ صاحب کے پاس ڈھائی سو روپیہ جو والدہ کی زمینداری کا جمع ہے وہ تو مجھے مل ہی جائے گا۔ اور جب یہاں کے اہل حاجت اور طلباء و علماء کو میرے ہاتھ سے بھجوایا اور دلوایا ہے۔ تو مجھے کتاب وغیرہ کے لئے ضرور خالو صاحب کچھ نہ کچھ دینگے اور اگر میں واپس جاتا تو میرے جانے کا خرچ بھی دیتے۔ اب تو اس سے کم ہی عطیہ میں سبکدوش ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب جب روانہ ہونے لگے تو مولانا کو ایک حساب لکھکر دیا جس میں جونپور سے مکہ معظمہ تک کا سب خرچ لکھا ہوا تھا۔ مولانا کے ذمہ ڈہائی سو سے دو چار روپیے زائد محسوب تھے اور کہا کہ جو ڈہائی سو روپیے میرے پاس تمہارے امانت کے تھے وہ سب خرچ ہوکر جو دو چار روپے زائد لگے ہیں وہ میں نہیں چاہتا۔ پھر کہا کہ تم تو بڑی ہمت کرکے ٹھہر گئے تمہارے واسطے کچھ خرچ دینا مناسب تھا۔ مگر میرے پاس بڑے بڑے نوٹ ہیں اس وجہ سے یہاں تو کچھ دے نہ سکا مکان جاکر تمہارا خیال کروں گا۔

مولانا یہ باتیں سُنکر خاموش رہ گئے۔ کیونکہ امید یہ تھی کہ جب خالہ صاحبہ کو عرب تک لانے کے لئے کوئی محرم خاص متعلقہ نہ ملا۔ تو خالو صاحب نے مجھے حکم دیا اور میں اُنکے حکم سے ساتھ ہوا اور سب خدمت بجالاتا رہا تو کم سے کم میرے آنے جانے کا خرچ تو یقیناً اُن کے ذمہ ہوگا۔ تو اس وقت جبکہ میں مکہ معظمہ میں ٹھہر گیا تو میرا خاص ڈہائی سو روپیہ جو امانت ہے وہ تو مجھے مل ہی جائے گا اور کسی قدر امداد بھی فرمائیں گے۔ جب میری امانت کے روپیوں کو میرے

خرچ میں محسوب کر کے بیباق کر دیا اور چلتے وقت صاف جواب دے دیا تو گویا مجھے بحر ناپیدا کنار میں ڈالدیا۔

اگر بزرگوں کی دعا اور خدا کا فضل نہ ہوتا تو عرب کی سرزمین پر بے یار و مددگار ٹھہر جانے کی مجھے ہرگز ہمت نہ ہوتی۔

میں نے خیال کیا کہ جو خدا مجھے یہاں تک لایا ہے وہی میرا کفیل ہے میں اپنے کام میں لگ جاؤں خدا اپنا کام کریگا۔

جب مولانا کے خالو اور خالہ ہندوستان کو روانہ ہو گئے تو مولانا طلب علم کی طرف متوجہ ہو گئے اور مدرسہ صولتیہ کے ناظم مولانا رحمت اللہ ہندی سے ملے اور وہاں بعض اسباق کا بندوبست کیا۔ پھر مولانا عبدالحق صاحب مہاجر الہ آبادی سے ملے مولانا الہ آبادی نے نہایت عزت افزائی فرمائی اور احادیث و تفسیر کے اسباق خاص طور پر شروع کرائے۔

خدا کی شان مولانا کی آرام دہی کا بندوبست خدا نے یوں فرمایا کہ ملفت گنج ضلع فریدپور (بنگال) کے جناب قاری حفیظ الدین جو مولوی عبدالعزیز درویش نامہ والے کے عزیز قریب سے تھے مکہ معظمہ میں موجود تھے۔ حفظ قرآن پاک کر رہے تھے۔ جب مولانا کی خبر سنی کہ حضرت مولانا کرامت علی صاحب رح

ہادی ہند و بنگال کے صاحبزادہ مولانا عبد الاول صاحب تشریف
لائے ہیں ہیں اپنے پیرزادہ کی زیارت کو حاضر ہو گئے اور اُن کی
ہر طرح کی خدمت کے کفیل بن گئے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا
اور کپڑے دھونا ضروری خدمتیں کرانا اپنے ذمہ لے لیا۔
مولانا فرماتے تھے کہ کبھی کبھی مولانا عبد الحیؒ صاحب بھی مجھے
اپنا مہمان بناتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلاتے اور کبھی کبھی
کھچڑی تیار فرماتے۔ نہایت مزہ دار کھانا ہوتا تھا۔ مولانا نے
زیادہ تر کتب احادیث و تفسیر مولانا عبد الحق صاحب ہی سے
پڑھی۔ باقی دیگر اساتذہ عرب اور مفتیوں اور اماموں اور مجتہدوں
کی خدمت میں بعض کتابوں کی سماعت و قرأت فرمائی۔ جیسا کہ
ان بزرگوں کے اسناد سے ظاہر ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ خاتمہ
میں منقول ہوں گی۔
مولانا عبد الحق صاحب اس وجہ سے مولانا کی زیادہ عزت
اور دلجوئی فرماتے تھے کہ حضرت مولانا کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی اور کچھ فیض باطنی بھی حاصل فرمایا تھا
مولانا اپنی فرصت کے وقت شیوخ مکہ اور معتمدین علماء سے
بھی ملا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں بھی بعض وقت حاضر ہوتے اور دعا لیتے۔ فرماتے تھے کہ حاجی صاحب بھی بہت عنایت فرماتے تھے۔ لیکن اس وقت طالب علمی کا زمانہ اور عنفوان شباب تھا زیادہ کسی بات کا خیال بھی نہ تھا۔ دوسرے علم ظاہری کی تکمیل کا شوق تمام خواہشات پر غالب تھا۔

علاوہ کتب درسیہ وینیہ تفسیر وحدیث کے بعض اوراد و وظائف کو مثل دلائل الخیرات وحزب البحر کے اپنے مکرم و محترم استاد و شیخ کی خدمت میں پڑھکر سند حاصل فرمائے تھے۔ اور چلتے وقت اپنے شیخ کے ہاتھ پر طریقہ نقشبندیہ میں بیعت بھی ہوئے تھے۔

مولانا نے مکہ معظمہ کے قیام میں دو حج کئے تھے اور ایکبار زیارت مدینہ منورہ روضہ نبویہ صلعم کی فرمائی۔

فرماتے تھے کہ میرے استاد نے فرمایا تھا کہ دوبارہ پھر خدا تم کو یہاں لائے گا۔ چنانچہ مولانا کو ہمیشہ تقاضائے طبعی مکہ معظمہ کا رہا کرتا تھا۔ اور ایک زمانہ میں بالکل یہ خیال پختہ ہوگیا تھا کہ مکہ معظمہ میں مکان خریدکر اقامت اختیار کردینگے۔ چنانچہ اس وقت عرب کے جانے آنے والوں سے ہمیشہ اس قسم کا

تذکرہ فرماتے اور بعض مطوفین وقاطنین مکہ سے مکان خریدنے کی بابتہ گفتگو بھی ہو چکی تھی۔ پھر اہل وعیال سے تعلقات بڑھتے گئے اور مقدر نہوا کہ اقامت مکہ معظمہ کا بندوبست ہوتا۔

بارہا یہ فرماتے تھے کہ پہلے خیال نہ کیا ناحق بہت سا روپیہ لگا کر مکان بنوایا۔ اگر یہی روپیہ ہوتا تو عرب میں مکان بنوا کر یا خرید کر مسکن گزیں ہو جاتا۔

احقر سے اس بارہ میں ایک دن گفتگو رہی، میں نے عرض کیا کہ اگر ایسا کر لیا جائے کہ یہاں بھی مکان رہے اور وہاں بھی ایک مکان اقامت کے لئے بنا لیا جائے۔ اور جو بڑے بڑے لڑکے بالغ ہیں وہ یہیں تعلیم پاتے رہیں اور چھوٹے بچوں کو لیکر آپ وہاں قیام فرمائیں۔ پھر ان لڑکوں میں سے اور بعض عزیز جن کو شوق حرم مکہ کا ہے۔ ان کو وہاں بلا لیا جائے اور خود یہاں تشریف لا کر دیکھ بھال کر لیا کریں۔ اس سے یہاں کے دوستوں اور عقیدتمندوں کا مقصد بھی حاصل ہوتا رہے گا۔ اور آپ کی آرزو بھی پوری ہوگی اور ہم لوگوں کو بھی عرب میں جانے آنے کا حوصلہ اور ہمت ہوتی رہے گی۔ مولانا نے اس بات کو بہت پسند کیا اور ۱۳۲۵ھ میں مع اہل وعیال کے روانہ ہو کر

بمبئی پہونچے۔ وہاں بیماری کے سبب حاجیوں کے قافلہ میں لوگ مرنے لگے اور بال بچوں کو لیجانا دشوار ہوا۔ تب بچوں کو لے کر واپس ہوئے اور پھر خود مع بعض ملازمین و رفیق اور خاص عزیز حاجی محمد صغیر صاحب کے مکہ معظمہ کو جونپور سے روانہ ہوئے۔

اسی سنہ میں مفتی عبدالسلام صاحب مرحوم ابن مفتی اسد اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہاں اس سال مرض وبا کی کثرت ہوئی مولانا بہت گھبرا گئے تھے۔

خلق اللہ کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے کسی کو کسی کی خبر نہ ہوئی۔ مفتی عبدالسلام صاحب جو وہاں گئے تھے مولانا کو خبر نہ ہوئی فرماتے تھے کہ مفتی عبدالسلام صاحب کی وفات ہو گئی مجھے خبر نہ ہوئی۔ حرم میں میں نے اُن کا جنازہ بھی پڑھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے کیونکہ روزانہ لوگ مرتے تھے اور جنازہ حرم میں جاتا اور نماز جنازہ کی ہوتی رہتی۔

مولانا کی طبیعت میں ایسے موقع پر بڑی تشویش ہوا کرتی اور وبائی امراض سے بہت خائف ہوتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی تھی۔ کہ بجائے دوا علاج اور ظاہری تدبیر و حفظ صحت کے دعا درود اور نذر و منت اعمال صالحہ کی فرمایا کرتے معمولی سے

معمولی تردد میں کبھی ایک ختم قرآن پاک اور پچاس رکعتیں نفل کبھی ہزار دو ہزار درود شریف اور تہلیل وغیرہ کی نذر کر لیتے۔

چنانچہ مکہ معظمہ میں اس وقت اپنے اور اپنے ساتھیوں کی خیر و خوبی کے لئے ختمات قرآن پاک و تہلیل درود شریف وغیرہ کے علاوہ مالی خیرات دو سو روپیہ کی بھی تجویز فرمائی کہ خدا خیر و خوبی سے مکان پہ پہنچائے تو مسجد کی کسی تعمیر میں دو سو روپیہ لگاؤں گا۔ چنانچہ وہ دو سو روپیہ اپنی مسجد کے اُتر جانب کے دروازہ کی تعمیر میں لگایا جو اسوقت تک موجود ہے۔ مولانا نے مدرسہ صولتیہ میں مولانا رحمت اللہ ہندی اور مولانا حضرت نور اور مولانا حافظ عبداللہ بن حسین مکی سے کتب اصول و حدیث و ادب پڑھا۔ اور جناب مولانا عبدالحق صاحب شیخ الدلائل سے تفسیر جلالین اور صحیح بخاری و مشکوٰۃ و حصن حصین و دلائل الخیرات و حزب البحر و حزب الاعظم و حزب النووی و قصیدہ بردہ وغیرہا سبقاً سبقاً پڑھا۔ اور ان کے علاوہ فن حدیث کی آٹھ کتابوں کی سند لی۔ اور مولانا رحمت اللہ ہندی سے نصاب الصبیان یاد کی اور اسی زمانہ میں اس پہ حاشیہ بھی لکھا۔

ابتدائی تالیف

چونکہ خدائے پاک نے مولانا کو علم کے ساتھ مناسبت تامہ اور ایک خاص دلچسپی بخشی تھی اور تالیف و تصنیف کا مادہ ازل سے ودیعت فرمایا تھا اس لئے بچپن ہی سے کچھ لکھنے کا شوق تھا۔ مولانا جب ابتدائی زمانہ میں قرآن پڑھتے تھے اسوقت اُن کو مرغوں کا بھی شوق تھا اور اس کی انواع و اقسام کی تحقیق بھی فرماتے تھے اون کی اس مناسبت کو دیکھکر حضرت مولانا حافظ محمد صاحب نے ایک رسالہ مختصر جس میں مرغوں کے انواع اور احوال اور خواص کا تذکرہ تھا اُن کے نام سے لکھدیا اور اس کا نام اسرار الدیاج رکھا۔ گو مولانا اس وقت خود تالیف پر قادر نہ تھے مگر باخبر اور صاحب دل ایسے برادر و استاد نے اپنی فراست سے اون کی مناسبت کا حال معلوم کر کے تالیفات کا راستہ دکھایا کہ یہ کتاب لکھکر اُن کے حوالہ کی۔

اس کے بعد جبکہ بعد حفظ کے معیت جناب مولانا صفی الدین کتب عربیہ مولانا محمد حامد صاحب فراش گنجی سے پڑھتے تھے احقر کے نام ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں کتب فارسیہ

وصرف ونحو وادب ومنطق کے اسباق کی تفصیل لکھی تھی اس کو بعض ہم سنوں نے مبالغہ خیال کیا اور اس پر ایک خط بطور امتحان کے مولانا کے پاس روانہ کیا۔ مولانا نے اس خط کا جواب چند اوراق میں لکھکر بصورت رسالہ تیار کیا اور نام اس کا "کشاف حقیقت" رکھا۔

مولانا کی پہلی تالیف یہی رسالہ ہے جو بطور مناظرہ کے لکھا تھا۔ افسوس وہ رسالہ ضایع ہو گیا۔ نہ مولانا نے اسکی نقل رکھی تھی۔ نہ یہاں مکتوب الیہ کے پاس اسکی اصل محفوظ رہ سکی۔

یہ تو طالب علمی کا زمانہ بالکل ابتدائی تھا۔ پھر جب مکہ مکرمہ گئے تو باوقات مختلفہ وہاں کے کتب خانہ میں جاکر اپنے خیال بموجب بعض مضامین کو اکٹھا کیا اور ایک رسالہ میلاد و قیام کے متعلق اور ایک منقبت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا۔ اول رسالہ کا نام "النفحۃ العنبریہ" دوسرے رسالہ کا نام "النوادر المنیفہ" رکھا۔

اور وہاں کے مفتیوں اور مدرسوں سے اس پر تقریظیں لکھائیں۔ جو جونپور میں آنے پر اپنے برادر عمزاد اور استاد مولانا

محمد محسن صاحب علیہ الرحمۃ کے حوالہ کیا جس کو انھوں نے خود اسکی کاپی لکھکر اپنے مطبع اعظم المطابع جونپور میں چھپوایا۔

مکہ معظمہ سے واپسی

مولانا کا قصد تھا کہ عرب میں کچھ دنوں قیام کر کے پھر بلاد اسلامیہ مصر و شام کو بھی دیکھیں گے لیکن کارخانہ قضا و قدر سے صورت بدل گئی اور واقعہ یوں پیش آیا کہ مولانا کی بڑی ہمشیرہ جو مولانا کے حقیقی بھائی بہنوں میں اکبر اولاد تھیں۔ اور جنھوں نے مولانا کو سات برس کی عمر سے مثل مادر مشفقہ کے پرورش فرمایا تھا یکایک بیوہ ہوگئیں یعنی اُن کے شوہر مولانا مصلح الدین صاحب علیہ الرحمہ نے ملک بنگال ضلع پابنہ میں یکایک بمرگ مفاجاۃ ارتحال فرمایا۔ اور مقام سراج گنج میں مدفون ہوئے۔

مولانا کی ہمشیرہ بعد وفات اپنے شوہر کے مع اپنے خوردسال بچوں کے جونپور تشریف لائیں۔

مولانا نے جب اپنے بہنوئی اور مربی مولانا مصلح الدین صاحب رح کی وفات حسرت آیات کی خبر پائی تو گویا کمر ٹوٹ گئی اور ہمت چھوٹ گئی۔ دل میں خیال فرمایا کہ مولانا مصلح الدین صاحب رح کے علاوہ ہمشیرہ محترمہ

بہت کچھ بطور خود تائید فرماتی تھیں اب جبکہ وہ بیوہ ہو گئیں تو خود
اپنے نفس اور اپنے بال بچوں کی خبر گیری سے معذور ہو گئیں۔ بھلا
میرے اخراجات کی کفالت کی طاقت اب ان میں کہاں۔

مولانا فرماتے تھے کہ اس سانحہ سے میرے قلب پر وہ اثر
ہوا کہ میں عرب میں ٹھہر نہ سکا۔

لیکن اگر مولانا صبر کر کے توقف کر جاتے تو ان کی ہمشیرہ اس
حالت بیکسی میں بھی اپنے ہونہار لاڈلے بھائی کی خبر گیری سے منہ
نہ موڑتیں۔

کیونکہ ان کا دل ایک وسیع دل تھا جس کے اندر سخاوت اور
جود و عطا کا دریا ہمیشہ بہتا رہا۔ گو اس وقت بیوہ ہو جانے کے سبب سے
آمدنی کا ذریعہ مسدود ہو چکا تھا۔ پھر بھی جو کچھ ان کے پاس اندوختہ
اور شوہر کا دیا ہوا بچا بچایا مال تھا اس کو بدستور سابق صرف کرتی
رہیں۔ چنانچہ جب وہ بیوہ ہو جانے پر جون پور آئیں تو ان کو معلوم
ہوا کہ مولانا عبد الاول صاحب نے کسی ضرورت کے وقت تیس
روپیہ پر اپنا دوشالہ کسی مہاجن کے یہاں گرو رکھا تھا جو اسوقت
غالباً پچاس روپیہ کا دعویٰ کرتا تھا مہاجن مذکور کو پچاس روپیہ دیکر
بار دین سے مولانا کو سبکدوش کر دیا، اسوقت تک مولانا مکہ معظمہ سے

روانہ ہوکر جونپور نہیں آئے تھے۔ پھر لڑکوں کے ختنہ کی تقریب میں غسل صحت کے بعد اپنے عزیزوں اور غریب امیدواروں کو قیمتی لباس اور ریشمی کپڑے تقسیم کئے۔ اگر کوئی منع کرتا تو کہتیں کہ روپیہ پیسہ خرچ کرنے کے لئے ہے یہ رکھنے کی چیز نہیں۔

جب مولانا مکہ معظمہ سے رخصت ہوتے کو ہوئے تو سامان سفر موجود نہ تھا۔ متردد ہوئے کہ یہاں سے قرض لیکر جانا بھی بے موقع ہے۔ خدا کی شان حرم مکہ میں بعض لوگوں کی خواہش سے وعظ فرمایا۔ سامعین میں سے وہ لوگ جو بنگال کے باشندے وہاں ٹھہر گئے تھے انھوں نے پہچانا اور وعظ سے محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد دعوتیں ہونے لگیں۔ لوگوں نے کچھ خدمتیں کیں۔ غرض کچھ رقم ہوگئی تو روانہ ہوئے۔ اتفاق سے حیدرآباد کے قافلہ کا ساتھ ہوگیا ان لوگوں کے ساتھ حیدرآباد پہنچے وہاں کئی روز قیام کیا۔

مولانا حکیم وکیل احمد صاحب سکندرپوری سے ملاقات ہوئی جو وہاں جج تھے۔ جج صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کرامت علی صاحبؒ جونپوری کے صاحبزادہ ہیں تو بہت عزت فرمائی۔ مولانا مستقل طور پر

مولوی محمد اعظم صاحب چریاکوٹی کے مہمان تھے۔ لیکن جج صاحب کے یہاں ضیافت و مہمانی بھی ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں نے چاہا کہ مولانا کو یہاں ٹھہرایا جائے اور بالفعل سرکاری مدرسہ میں مدرس اعلیٰ کی جگہ خالی ہے وہاں بھرتی کرادیجائے اور یہ امید دلائی کہ چندے توقف کرنے کے بعد اور بحیلۂ مدرسی ٹھہر جانے سے کوئی منصب بھی تجویز ہو جائیگا۔ اس وقت مکان پر جانے سے بھی وظیفہ جاری رہے گا۔ لیکن مولانا کو بجد تشویش تھی اور خیال تھا کہ جہاں تک جلد ہو سکے اپنی مربی اور سرپرست بیوہ بہن اور اپنے یتیم بھانجوں اور بھانجی کے پاس جلد پہونچیں اس وجہ سے عذر کیا اور رخصت ہو کر جونپور پہونچے۔

بعد حج جونپور کا قیام اور شادی کا اہتمام

جب حیدرآباد ہوتے ہوئے مولانا جونپور پہنچے تو اس وقت عربی لباس زیب بدن تھا اور چند ایام تک بالکل اہل عرب کی طرح رہتے سہتے۔ مولانا کی عمر اسوقت ۲۲ سال کی تھی۔ مولانا کو دیکھکر تمام عزیز و اقارب اور احباب، عوام و خواص کو بہت مسرت حاصل ہوئی۔

جمعہ کے دن لوگوں نے آرزو کی کہ مولانا کا وعظ سنیں۔ مولانا نے اہل محلہ سے کہا کہ مجھ سے بڑے لوگ موجود ہیں مجھے شرم معلوم ہوتی ہے اور میں بے اجازت کچھ نہ کہوں گا۔ آخر مولانا محمد محسن صاحب مغفور نے فرمایا کہ جب لوگ آرزو کر رہے ہیں تو بیان کرنا مناسب ہے۔ اس حکم کے بعد مولانا نے وعظ کہا سامعین کا بڑا مجمع تھا۔ لوگ خوب جمے رہے۔

اس بیان کے اندر امام بخاریؒ کے مسلک کے مطابق ایمان کی کمی زیادتی کا مسئلہ بیان کیا تھا جس کو مولانا محمد محسن صاحبؒ نے خاص وقت میں کہا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں الایمان لاینقص ولایزید ہے۔ اس کی توضیح رہ گئی ہے۔ آخر اس پر

اُستاد و برادر عزاد کے فرمود کے مطابق دوسرے جمعہ میں اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا۔

فرماتے تھے کہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کے سامنے پڑھنے پڑھانے وعظ و نصیحت کرنے میں بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

مولانا کی طبیعت کی افتاد اس بارہ میں ایسی تھی کہ اگر کسی تقریر یا تحریر میں کوئی بات رہ جاتی اور کوئی بتلا دیتا تو بڑی قدر کے ساتھ ان لیتے سبحان اللہ یہ پاکیزہ خصلت باوجود کمال علمی کے مولانا کے اخلاقی کمال کا پتہ دیتی ہے۔

وفات کے قبل جو بعض جدید رسائل اردو میں لکھے تھے احقر کو دکھلا کر فرماتے کہ کوئی بات حذف و الحاق کے قابل ہو تو بے تکلف کہدینا۔ ہر چند یہ عاجز عرض کرتا کہ بھلا میرا کیا حوصلہ کہ میں اس پر نظر ثانی کروں۔ مگر مولانا نہایت صاف دلی سے تقسیم فرماتے کہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ بالخصوص اردو زبان کے نشیب و فراز کو میں اپنے خیال میں تم سے کم جانتا ہوں۔ یہ مولانا کا دوسرا کمال تھا کہ اپنی مادری زبان میں بھی اپنی سہو و ذلت کا احتمال دل میں رکھتے اور اپنے سے کمتر کے سامنے بھی مشورہ کے لئے پیش کر دیتے۔

پھر مولانا نے کئی جمعہ تک وعظ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور پہلے ہی

جمعہ سے غیر مقلدین کی تردید شروع کردی تھی۔ ایک بار اثنائے بیان میں غیر مقلدین کے پیشوا اور سرگروہ مولوی نذیر حسین دہلوی کی حالت کو اور ان بہ جود قائح مکہ معظمہ میں پیش آئے تھے ان سب کو بیان فرمایا۔

اسی جمعہ کو عصر کے وقت جونپور کے ایک عالم جو مولوی نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے ان کا نوشتہ ایک خط مولانا کے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ آیہ کریمہ لا یسخر قوم من قوم اور لا تنابزوا بالالقاب کی تفسیر اور شان نزول لکھکر مطلع کرو۔

مولانا نے یہ خط پاکر احقر کو بلایا اور چاہا کہ اس کا جواب بھی اور تفسیر و شان نزول لکھیں احقر نے کہا کہ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ اس آیہ میں کسی کو بُرے القاب سے یاد کرنا کسی کی غیبت کرنی ممنوع ہے تو پھر آپ نے ان کے استاد دہلوی کی غیبت کیوں کی۔ تو اس خط و کتابت میں طول ہوگا۔ لہذا میرے نزدیک اختصار کا طریق نہایت مناسب ہے۔ وہ یہ کہ اس مکتوب میں بوجہ عجلت اور غلبہ غیظ و غضب کے کتابت کے اندر کچھ غلطیاں ہوگئیں ہیں اُن پر گرفت فرماکر اس کی تصحیح طلب کیجئے۔

مولانا نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور ایک مکتوب بطور

مواخذہ اور تغلیط کے لکھکر بھیجدیا۔ چونکہ واقعی غلطیاں خاص کتابت میں ہوگئیں تھیں۔ اس وجہ سے انکا جواب بن نہ پڑا اور سکوت و خاموشی کے ساتھ قصہ تمام ہوگیا۔

ملک بنگال کے سفر کا عزم

مولانا جب مکہ معظمہ سے رخصت ہوئے اس کے قبل ہی سے ملک بنگال کے بہت سے حاجیوں نے اپنے اطراف کی دعوتیں دیے رکھیں تھیں۔

جب مکان پہونچے تو بذریعہ خطوط تحریکات شروع ہوئیں۔ مولانا کو خیال ہوا کہ اس بارہ میں اپنے مربیوں اور بزرگوں اور خیر خواہوں سے مشورہ بھی کر لینا چاہئے۔ اس خیال سے ایک عریضہ حضرت مرشد عالم مولانا حافظ احمد صاحب کی خدمت میں اور ایک جناب مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں اور بعض خطوط دیگر خیر خواہوں کے نام روانہ کئے۔ سب سے پہلے جناب ارشاد مآب مولانا عبدالقادر صاحب نے ایک طویل تحریر بھیجی اور اس کار خیر کے متعلق عمدہ مشورہ دیا اور تحریک فرمائی اور ضروری باتوں سے بھی مطلع فرمایا جس سے مولانا کو بہت مسرت و تقویت ہوئی۔

مولانا کا پہلا سفر

مولانا اپنے والد ماجد کے مریدین و معتقدین میں سے سب سے پہلے ڈھاکہ کی جانب گئے۔ پہلے شہر میں قیام کیا۔ خواص لوگوں نے آپ کے قدوم میمنت لزوم کو غنیمت کبریٰ تصور کیا اور عوام دلدادہ ہو گئے۔ پہلے چوک کی مسجد میں مولانا کا وعظ ہوا۔ پھر شہر کے محلوں میں مجلسیں ہونے لگیں۔ اس وقت وہاں کے خواص لوگوں میں دو نامور حافظ ایک حافظ محی الدین صاحب دوسرے حافظ محمد یوسف صاحب مولانا کے خاص رفیقوں میں ہو گئے۔ جب شہر میں مجالس[1] کی دھوم شروع ہوئی تو اطراف کے لوگوں میں بھی جوش اور تقاضا پیدا ہوا۔ آخر چند ماہ میں وہاں کے لوگوں کی خاطر داری فرما کر مکان واپس ہوئے۔

---

[1] مشہور ہے کہ اہل ڈھاکہ نے مولانا کے اعزاز میں اس قدر فراخدلی دکھلائی کہ سواری سے اترنے کے بعد جلسہ گاہ تک سرخ فرش بچھا رہے تھے جس کا سلسلہ دور تک ہوتا۔ (عبد الباطن)

مولانا کی شادی خانہ آبادی

مولانا کا یہ خیال اور اصول تھا کہ جو کام آدمی ہمیشہ کے لئے
کرنا چاہے اور خاص ذاتی تعلق ہو تو اس کو کسی غیر کی پسند اور
تجویز پر محول نہ کرے بلکہ خود اپنی ذاتی تجویز اور پسند ضروری امر
ہے۔ اس لئے اپنی شادی کے متعلق خاص اپنے استاد مولانا
حافظ محمد احسن صاحب کی دختر کو تجویز فرما کر معتمدین لوگوں کے
ذریعہ سے پیغام دلوایا اور اپنی بڑی ہمشیرہ کو اس کام میں مختار بنایا
آخر بتقدیر الٰہی مولانا کی یہ آرزو اور خواہش خدا نے پوری فرمائی۔
جب شادی کی بات چیت طے ہوگئی تو اپنے ماموں مولوی
محمد عثمان صاحب وکیل کو خبر دی وہ شب کے وقت تشریف
لائے۔ ان کی موجودگی میں جناب مولانا محمد محسن صاحب مغفور نے
باذن اپنے بھائی کے اپنی بھتیجی کا نکاح مولانا کے ساتھ پڑھا دیا۔
مولانا نے باہر کا نظم و نسق اپنے برادر استاد مولانا محمد محسن صاحب مرحوم
کے متعلق کیا تھا۔ انہی کی طرف سے شادی کا استدعا لوگوں کو دیا
گیا تھا چنانچہ شادی کے وقت شہر کے اراکین و روسائے معززین
شریک و حاضر تھے۔ پھر دوسرے روز حسب دستور ولیمہ کی دعوت

باحسن وجوہ انجام پائی۔ لوگوں کو بہترین طعام کھلایا گیا۔ جس میں غربا و مساکین کی جماعت اور طلبہ بھی شریک تھے۔

تعمیر مکان جدید

جب شادی ہو گئی تو مولانا کچھ دنوں اپنے آبائی مکان میں اور بعض اوقات سسرال کے مکان میں متمکن رہے لیکن یہ خیال ہوا کہ مکان مشترک میں پوری احتیاط اور پردہ داری اور خود مختاری کے ساتھ رہنا دشوار ہے۔ لہذا ایک مکان علیحدہ ہونا چاہیئے اس کے لئے ایک خام مکان جو آبائی مکان کے سامنے اُن کی والدہ کے زمانہ کا موجود تھا تجویز کیا گیا۔

اسمیں بھی مولانا نے بعض لوگوں سے مشورہ لیا۔ اکثر لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن بعض ہوا خواہوں نے کہا کہ ابھی گذر کیجئے جب خدا لڑکے بالے دیگا تو پھر مکان بنوا لیجئے گا۔

آخر مولانا کی رائے مکان بنوانے کی پختہ ہو گئی اور اپنے بھانجے مولانا محفوظ الحق صاحب کو اس کا ناظم بنایا۔ اور تعمیر کا کام شروع ہو جانے پر مولانا بنگال تشریف لے گئے اور وہاں سے بقدر گنجائش ہمیشہ روپے بھیجتے رہے آخر چند سال کے اندر پورا مکان مع ایک

بالاخانہ کے تقریباً چار ہزار میں تیار ہوگیا۔

ولادت فرزند اول

بعد تیاری مکان کے مولانا مکان میں تشریف لائے اور سب سے پہلے خدا نے ایک بیٹا عنایت فرمایا۔ مولانا نے اس کا عقیقہ کیا اور نام عبدالآخر رکھا۔ فرماتے تھے کہ میرے استاد مولانا عبدالحق صاحب حقانی صاحب نے فرمایا تھا کہ تمہارا نام عبدالاول ہے۔ جب تم کو خدا بیٹا دے دے تو اس کا نام عبدالآخر رکھنا۔

عقیقہ کے کئی روز بعد لڑکے کی طبیعت بدمزہ ہوئی اور ام الصبیان کا سا دورہ شروع ہوا۔ آخر کو بچہ فوت ہوگیا۔ مولانا کو نہایت صدمہ ہوا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو بھی نکلے مگر صبر فرمایا۔ بعد اس کے خدا نے دختر بخشی۔ بدستور عقیقہ کیا۔ اور لوگوں کو کھلایا۔ چند ایام کے بعد سفر بنگال درپیش ہوا۔ تو مولانا نے اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لیا۔ اور خاص اہتمام سے کلکتہ تک کے لئے گاڑی ریزرو کرائی اور مغل سرائے میں سواری کا انتظام پہلے سے کردیا تھا۔ اور کلکتہ میں بھی اسٹیشن پر پہلے سے لوگ مع سواری کے موجود تھے۔ چند ایام کلکتہ میں آرام فرماکر بنگال روانہ ہوئے۔

نوٹ: مولانا عبدالاول صاحب [illegible] [illegible] ولادت ۱۱

ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ دوشنبہ کو ہوئی۔ ۲؎ عبدالآخر کی ولادت ۲۳ رمضان ۱۳۱۲ھ کو ہوئی ۲، (عبدالباطن)

ولادت مولانا حافظ محمد حماد رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کو آرزو تھی کہ خداوند کریم فرزند بخشش کرے تو دل کا ارمان پورا کروں۔ خدا نے وہ آرزو پوری کی اور ضلع ڈھاکہ کے سفر میں موضع لگلیا کے گھاٹ پہ بوٹ تھا۔

مولانا کو قرینہ سے معلوم ہوا کہ وقت قریب ہے۔ دور کی دعوتوں میں جانا ملتوی کر دیا تھا۔ قریب ہی کسی گاؤں میں تشریف لے گئے تھے اور فرما دیا تھا کہ مجھے خبر کر دینا۔ خدا کے حکم سے اسی روز بیٹا پیدا ہوا۔ مولانا بھی دعوت سے جلدی روانہ ہوئے اور ادھر سے آدمی بھی خبر دینے کو چلا۔ مولانا کی پالکی کے پاس پہنچا مولانا نے خود پوچھا کہو خیریت۔ عرض کیا حضور سب خیریت ہے۔ آپ کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا۔ مولانا بہت محظوظ ہوئے۔ اور اس مخبر کو بطور انعام اس مژدہ خبر کے چار روپیہ بخشش دیا

اور اسی گھاٹ پر خواص معتقدین کے اہتمام سے دھوم دھام سے عقیقہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے کھانا کھایا۔ اور بچے کا نام محمد حماد عبد الظاہر رکھا۔

تاریخ ولادت ۱۹ شوال ۱۳۱۲ھ روز بدھ ہے۔

اس سے تھوڑا پہلے احقر کی بھی شادی ہوگئی تھی پورے نو ماہ کے بعد بندہ کے گھر میں بندہ زادہ محمد ہارون پیدا ہوا۔ مولانا نے اس خبر پہ مسرت ظاہر کی اور بندہ کو مبارکبادی کا خط لکھا۔

میاں محمد حماد کی پیدائش کی خبر جب رئیس الادبا مولانا عبدالعلی مدراسی لکھنوی کو ہوئی تو انھوں نے ایک طویل قصیدہ مبارکبادی کا نظم کر کے نہایت خوشخط لکھوا کر بھیجا اور پھر مولانا کی اجازت سے بطور رسالہ کے چھپوا بھی دیا۔ جس کا نام ایک مصرع کی صورت پہ "جشن میلاد محمد حماد" رکھا

مولانا نے انکی اس محنت کی قدر افزائی کے لئے ایک سو روپیہ بذریعہ ڈاک کے بھیجدیا۔ اس کے بعد مولانا حکیم محمد قیام الدین صاحب نے جو فن تاریخ گوئی میں ملکہ رکھتے تھے اور نظم اردو میں جنھیں خاص خداداد سلیقہ تھا۔ ایک نظم تاریخ ولادت میں مولانا کے پاس بھیجی مولانا نے اُن کو بھی بیس روپے مرحمت فرمائے۔

جب مولانا موضع گھلیا کی طرف سے سفر کرتے ہوئے موضع کورآئید میں پہنچے تو احقر کے نام بذریعہ منی آرڈر زادراہ کے

نام سے کچھ روپے بھیجے اور لکھا کہ روپیہ پاتے ہی چلے آؤ۔ اتفاق سے اس کے کئی روز پہلے بندہ مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم کے بوٹ پر چاندپور میں آیا تھا۔ مولانا کو معلوم ہوا کہ ابوالبشر چاندپور میں ہے تو اپنے خاص ملازم ساد ہو ماجھی کو چاندپور روانہ کیا اور خط بھی لکھ دیا کہ یہ ماجھی ملازم خاص تمہارے لیے بھیجتا ہوں فوراً چلے آؤ توقف نہ کرنا۔ تمہارے انتظار میں ریل اسٹیشن کے پاس بوٹ لنگر انداز کر دیا ہے۔

آخر بندہ کو توقف کی گنجائش نہ ہوئی اور برابر گوالند چلا آیا مولانا نے لوگوں کو متعین کر دیا تھا کہ رات کی گاڑی میں تلاش کرنا۔ جب ۲ بجے کے وقت بندہ وہاں پہونچا تو اسٹیشن پر آدمی موجود تھا۔ اسٹیشن کے پاس ہی بوٹ لگا ہوا تھا۔ تمام لوگ بیدار۔ مولانا اس وقت زنانے بوٹ میں تھے۔ فوراً شمع دان ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے اور پچھلے کمرہ میں بیٹھکر بات چیت میں صبح کر دی۔

آہ ایسا محب اور قدرداں میرے ایسے گمنام ناکارہ کے لئے آج پردۂ دنیا سے مفقود ہے۔

اِس وقت اس مضمون کے لکھنے میں جو قلب کی حالت ہے اس کی خبر سوائے ذات علیم و بصیر کے کسی کو نہیں۔

مولانا مجھ ناکارہ کو پاکر ایسے خوش ہوئے کہ جیسے کوئی گم کردہ چیز کو بڑی تلاش کے بعد پا جائے۔ سوائے قلبی محبت و خاص تعلق کے کوئی بات ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے مولاناؒ اس عاجز کو تلاش کرتے۔ کچھ دنوں کے بعد ارادہ روانگی کا ظاہر کیا تو مولانا نے روک لیا۔ ادھر چاند پور میں مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم سے بھی بلکہ زیادہ بات چیت نہ کر سکا تھا اور کچھ سامان بھی وہاں تھا اس وجہ سے بار بار خیال ہوتا کہ اُن سے مل کر مکان کو واپس جاؤں گا لیکن مولاناؒ نے کسی طرح جدا نہ ہونے دیا اور اپنے ساتھ مکان پر لے گئے۔ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ اگر مکان جانا ہے تو میرے ساتھ ہی چلنا آرام سے جاؤ گے۔ اس زمانہ میں ہر طرف سے دعوتیں آتی تھیں۔ مولانا مناسب مقامات کی دعوتوں کے سوا اور دعوتوں کو ملتوی کرتے جاتے تھے۔

ایک مولوی صاحب کا واقعہ

اس زمانہ میں شہاں کے علماء کا مجمع اکثر مولانا کے یہاں رہا کرتا تھا۔ مولانا کو مذاق علمی ایسا تھا کہ ہر وقت اہل علم سے علمی مذاق میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر کسی کو متکبر اور مدعی کمال دیکھتے تو پھر اس کی خبر ضرور لیتے تھے۔

ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور بہت بڑی پگڑی سر پر بندھی تھی اور وہ اپنے لب و لہجہ سے اپنے کو ہندوستانی بنانا چاہتے تھے۔ لیکن اردو اُن کی زیادہ صاف نہ تھی۔ بلکہ مثل بنگالیوں کے تھی کہ وہ کلکتہ میں سے میں نے بعض کو دیکھا ہے کہ اچھی سیدھی سادی اردو بول لیتے ہیں۔ یہ مولوی صاحب مذکور باوجود یکہ ہندوستان کے محصل تھے مگر اردو کے الفاظ ٹھیک نہ کہہ سکتے تھے۔

مولانا نے تحصیل و تکمیل کا حال دریافت فرمایا تو بتلایا کہ میں نے مرادآباد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ اور سند نامہ بھی نکال کر رکھ دیا۔ عربی میں لکھا ہوا تھا۔ مولانا بڑے قیافہ شناس تھے۔ سمجھ گئے کہ ہندوستان میں تحصیل کو دکر

چلے آئے ہیں۔ پڑھا لکھا زیادہ نہیں۔

کئی روز کے بعد مولوی صاحب نے خلافت کی سند طلب کی۔ اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے خلیفہ بنایا جائے۔ تب مولانا کو پوچھنے کا موقعہ ملا۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ احادیث کی کون کون کتابیں پڑھی ہیں۔ کہا کہ بخاری کے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کتابوں کے نام تبلایئے کہا کہ عرض تو کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ بخاری اور مسلم، ابوداؤد، ترمذی تو ان کتابوں کے مولف اور لکھنے والے ہیں۔ کتابوں کا نام تو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی نہیں۔ کہا کہ ایسا ہی استاد صاحب سے سنا۔ ان لوگوں نے نام تو نہیں تبلایا۔ پھر فرمایا کہ اچھا سند پڑھکر سنایئے۔ تو سند بھی نہ پڑھ سکے۔

پھر دعوت کے آدمی آگئے تو مولانا دعوت میں روانہ ہو گئے وہ مولوی صاحب بھی ساتھ روانہ ہوئے۔ واپسی کے وقت مولانا کو کسی گاؤں میں توقف ہوا۔ مولوی صاحب مذکور سے فرمایا کہ اچھا آپ بدٹ میں جایئے۔ یہ خط میرا لیجا کر میرے بھانجے کو دیجیئے وہ آپ کو سند وغیرہ لکھ دے گا۔ جب

وہ مولوی صاحب مولاناؒ کی تحریر میرے نام لائے تو اس میں
لکھا تھا کہ مولوی صاحب کا امتحان لے کر مجھ سے کہنا۔

جب مولاناؒ بوٹ پر تشریف لائے۔ مجھ سے فرمایا کہ
امتحان تم نے لیا۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے شرم آتی ہے
کہ مولویوں کا امتحان لوں۔

آخر مولانا جب مطمئن ہوئے تو پوچھا کہ حدیثوں میں کون
کون کتابوں کی سند ہے۔ کہا کہ "صحاح ستہ" کی۔ مولانا کو
معلوم ہوا کہ لفظ صحاح بھی صحیح ادا نہیں کرتے۔ کہا کہ صاف
کہئے۔ تب بھی صاف نہ کہہ سکے۔ مولاناؒ نے واضح کرنے کو
کہا کہ لکھ کر دیجئے۔ کون کون حرف سے یہ لفظ لکھا جائے گا
جواب دیا کہ لکھنے کا تو کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ
اگر کوئی کہے یا کبھی لکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو کیسے
لکھئے گا تو کہا کہ سین یا صاد سے) اس طرح لکھ دوں گا
تب مولانا نے آہستہ سے فرمایا کہ دیکھتے ہو اس بڑی
بھاری پگڑی کے اندر کہاں تک قابلیت کا جوہر بھرا ہے۔
اس پر غرور یہ کہ دیسی مولویوں کو مولوی ہی نہیں سمجھتے

اسی زمانہ میں دوپہر کے وقت ایک مولوی صاحب

طلاق کا مسئلہ لے کر بوٹ میں حاضر ہوئے۔ مولانا اندر زنانے بوٹ میں تھے اور مردانہ بوٹ کے لوگ مولوی اور مترجم، حافظ اور منشی وغیرہ سب نیند میں تھے۔ یہ احقر بیٹھا تھا۔

مولوی صاحب نے پوچھا کہ مولانا سے کب ملاقات ہوگی میں نے کہا کہ ظہر کے وقت اذان کے بعد تشریف لائیں گے پھر مشتعل ہو کر کتب خانہ کی الماریوں کو دیکھنے لگے اور بعض کتابوں کی ورق گردانی کے بعد کہنے لگے کہ ایک مسئلہ دریافت کرنے کو آیا تھا تو بہت دیر ہو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ کیا مسئلہ ہے کہا کہ مولانا کے آنے پر ظاہر کر دوں گا۔ آخر شرح وقایہ نکال کر بہت غور و خوض کے بعد کہا کہ اس میں بھی وہی عبارت ہے۔ کسی نے کہا کہ ذرا پڑھئے تو کیا ہے تب پڑھنے لگے تو اصلی عبارت غیر صحیح۔ معروف کو مجہول، مجہول کو معروف پڑھ رہے تھے۔ تب میں نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ اگر اس کو معروف کا صیغہ پڑھیں اور یہاں مجہول تو کیا قباحت ہے۔ تو نظر تحقیر مجھے دیکھ کر چپ رہے۔

جب مولانا تشریف لائے تو بعد نماز اُن سے دریافت کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ابوالبشر کے پاس لیجاؤ۔ تب بہت

نیاز مندی کے ساتھ کتاب لے کر آئے اور فوراً سمجھ گئے اور کہا کہ مضمون تو واقعی صاف ہے عبارت ہی میں خطا ہوئی تھی۔

مولانا رح کو قیافہ شناسی ایسی تھی کہ علم و جہل اور فہم دیلات کو تو سمجھتے ہی تھے اہل معاملہ اور دنیادی کاروبار والوں کا بھی انداز و طور خوب سمجھتے تھے۔

ایک روز ظہر کے بعد تنہائی تھی۔ مولوی نواب علی صاحب مترجم اور قاری حفیظ الدین صاحب بھی حاضر تھے اس وقت ایک آدمی معمولی لباس میں آیا اور کہا کہ دعوت کر دینے کو آیا ہوں۔ چونکہ مولانا رح کے ساتھ دو بوٹ تھے اور آدمیوں کا مجمع اور خرچ کثیر تھا۔ اور لوگ بغیر بتائے مصارف کا انداز نہیں کر سکتے تھے

اس وجہ سے منتظمین بوٹ کی طرف سے ہدایت تھی کہ جو کوئی دعوت دینے آوے تو بوٹ کے مصارف و اخراجات کو ظاہر کر دے ۔ جب نووارد شخص نے دعوت کا قصد ظاہر کیا تب مترجم نے لطیف پیرایہ میں اس بات کا اظہار کیا اس وقت نووارد شخص نے کمال عقیدت و محبت سے مستعدی ظاہر کی۔ اس اشتیاق کو دیکھ کر

مترجم نے آکر کہا کہ حضرت یہ شخص دعوت کرنے آیا ہے اس کا نام نتی سرکار ہے۔ حضور سے بہت عقیدت رکھتا ہے۔ پھر اس شخص نے کہا کہ میں کھانا بھی کھلاؤں گا۔ حضور کے یہاں باورچی ہو تو اس کو حکم دیجئے۔ اسوقت کلکتہ سے ایک حافظ صاحب آئے ہوئے تھے وہ کھانا پکانے میں بڑے ماہر اور ہوشیار تھے۔ مولانا نے حافظ صاحب کو بلوایا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ سرکار کیسا کھانا پکوائیں گے۔ سرکار نے کہا کہ جیسا آپ تجویز کریں اور پکا سکیں۔ تب حافظ صاحب نے کہا کہ میرے تجویز کردہ کھانا تیار کرنے میں بعض اشیاء مثل زعفران وغیرہ ڈھاکہ سے منگوانا ہوگا۔ سرکار مذکور نے ان اشیاء کے خریدنے کے لئے اسی وقت آٹھ روپئے دیئے۔ غرض دعوت کے روز ہر قسم کے مرغوب طعام اور افطاری تیار ہوئی۔ بندہ بھی شریک دعوت تھا۔ صرف افطاری ہی سے سیری ہوگئی۔ احقر کو پھر دیگر اطعمہ کھانے کی گنجائش نہ رہی۔ مجلس وعظ میں مجمع سامعین کا اچھی تعداد میں تھا۔

روانگی کے وقت نتی سرکار نے خود ایک سو روپیہ دیا اور

سلہ بستی کے معزز اور معتمد لوگوں کو بنگال میں سرکار کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۱۲

اپنی بیوی اور بچوں کی طرف سے اور بھائیوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ دیا اور سامعین نے بھی کچھ خدمت کی غرض تین سو روپیہ مولانا کو وصول ہوئے۔ ایک خصی اور پندرہ روپے نقد ہوٹا کے لوگوں کے کھانے کے واسطے دیئے۔

غرض مولانا جیسا علم والوں کی استعداد اور لیاقت کو پہچانتے تھے اسی طرح اہل دنیا کی حالت کا بھی اندازہ کر لیتے تھے۔ اور مخلص دیندار اور غیر مخلص غدار کو بھی پہچان لیتے۔

مولانا کو علوم کے ساتھ نہایت ذوق تھا۔ اکثر فرماتے تھے کہ اگر کہیں سے ضروری اخراجات کی کفالت کا بندوبست ہوتا تو میں سوائے خدمت علوم دینیہ اور کتب بینی اور تالیفات کے دوسرا کام نہ کرتا۔

باوجود مشاغل کثیرہ کے جس قدر کثیر التعداد تالیفات[1] مولانا رح کی ہیں کہ شاید باستثنائے بعض حال کے علماء میں کسی کی بھی ہونگی۔ مولانا نے یہ انتظام کر لیا تھا کہ جس کتاب کے لکھنے کا خیال ہوا بس اپنے کو اسی کا مقید کر کے لکھنے بیٹھ جاتے۔ اس درمیان میں

---

[1] مولانا رح کی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی تعداد ایکسو بیس ۱۲۰ تک پہنچی ہے (عبد الباطن)

جو لوگ محض ملاقات اور دل بہلانے کو مولانا کے پاس آتے مولانا عذر کہلا بھیجتے۔ اور اپنا کام چھوڑ کر باہر نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ کتاب تمام ہو جاتی۔

مولانا کی بعض تالیفات ایسی بھی ہیں جس کو ایک نشست میں تمام کر کے تب گھر سے باہر ہوئے ہیں۔

کتابوں کے لکھنے کے بعد دوسروں کو دکھلانے اور سنانے اور مشورہ لینے کی بھی عادت تھی۔ اگر کسی معتمد علیہ اور دوست نے کسی مقام پر کوئی مشورہ دیا یا کسی کلمہ کے بدلنے کو کہا فوراً گنجائش دیکھکر اس کو تبدیل کر دیتے۔ سبحان اللہ کس قدر حسن اخلاق اور حسن ظن تھا۔ جزاہ اللہ خیرا۔

مولاناؒ کے بعض واقعات وسوانحات

واقعہ - مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا جب اپنے والد ماجدؒ
کے وفات کے بعد جون پور واپس تشریف لائے۔ تو آپ کی
عمر تقریباً آٹھ برس کی تھی محلہ کے لوگوں کی خواہش سے
مولانا نے قرآن پاک کی سورتوں کو پڑھ کر سنایا۔ اور لوگوں
کا یہ حال دیکھا کہ مولانا کو گود میں لے کر اپنے گھروں میں
لیجاتے اور قرآن سنتے اور وہ بھی باوجود کم سنی کے ہر شخص
کی خواہش پوری کرنے اور مجمع میں پڑھنے سے ذرا بھی متردد
اور مرعوب نہ ہونے۔ خیال کرنے سے اس وقت بھی وہ لب
لہجہ یاد پڑتا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ بالکل اپنے والد مرحوم کی
طرح پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد چونکہ پھر اس لب ولہجہ کی مشق
جاتی رہی۔ اور علوم کی طلب ومحنت میں اس کا خیال نہ رہا۔
اسوجہ سے وہ محو ہو گیا تھا۔ عرب سے لوٹنے پر مولانا کا خاص
ایک لہجہ جو حجازی ومصری کے بین بین یا جامع الصوتین تھا۔
جنھوں نے مولانا کا قرآن پاک سنا ہے وہ اس لہجہ کی دلفریبی
اور ذوق سے خوب واقف ہیں۔

واقعہ ۔ مولانا کو اُن کی علاتی ماں نے ابتدا میں کچھ دنوں گود میں رکھا اور کھلایا پلایا تھا۔

اعلیحضرت کی وفات کے بعد وہ ڈہاکہ میں رہتی تھیں وہاں کے متعقدین اُن کی خدمت کرتے تھے۔ جب مولانا ابتدائے سفر میں ہمراہی اپنے مربی و سرپرست مولانا مصلح الدین صاحب رح شہر ڈہاکہ پہونچے تو بعض وقت علاتی ماں کے یہاں بھی چلے جاتے وہ مولانا کو بوجہ خدمت سابقہ و پرورش ایام طفلی نہایت محبوب رکھتی تھیں۔ مولانا کو بجد آرام اور کھانے پینے کی لالچ دیکر اپنے یہاں رکھ لیا۔ جب مولانا مصلح الدین صاحب مغفور نے اُنکو لینے کے لئے آدمی بھیجا تو کہلا دیا کہ ان کو میں جانے نہ دوں گی۔ اور خود معلم رکھ کر تعلیم دلاؤں گی۔ مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم بہت متردد ہوئے کہ کیوں کر ان کے قابو سے چھڑایا جائے۔ کیونکہ مولانا اپنی علاتی ماں کے پاس جاکر گھر میں دوسرے بچوں کی صحبت میں آزاد ہوکر رہنے لگے۔ جب مولانا مصلح الدین رح کا آدمی جاتا تو مولانا اندر سے جواب دیتے کہ میں اپنی ماں کے پاس رہوں گا۔ اب جونپور نہ جاؤں گا اس حالت سے مولانا مصلح الدین رح کو بجد پریشانی ہوئی کہ ایک ہونہار لڑکا ضایع ہورہا ہے آخر مکانپر

پہلے مولانا حافظ محمود صاحب مرحوم کو لکھا۔ پھر مولانا حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا اور خود ڈھاکہ کے گھاٹ پر ٹھہر گئے تھے حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ نے بیرسیال سے دو شخصوں کو ڈھاکہ روانہ کیا۔ جب وہ لوگ ڈھاکہ پہنچے تب مولانا مصلح الدینؒ نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ تم لوگ جاکر کہو کہ ہم لوگ بیرسیال سے آئے ہیں۔ مولانا حافظ احمد صاحب نے چھوٹے میاں کے واسطے کچھ سوغات بھیجی ہے۔ الغرض وہ دونوں شخص گئے۔ مولانا اُن سے ملنے کو باہر نکلے۔ اودھر مولانا مصلح الدین صاحبؒ نے بوٹ کے سارنگ حاجی بشیر علی مرحوم کو اور حاجی عبدالسبحان مرحوم کو جوایک قوی اور باہمت شخص تھے مع دیگر ہوشیار ساتھی کے بھیجدیا تھا۔ جب مولانا بیرسیال کے مہمانوں سے مشغول کلام ہوئے تو آہستہ سے آکر فوراً گود میں لے لیا اور نہایت تیزی اور ہوشیاری سے ایک ہی دوڑ میں بوٹ میں پہونچادیا۔

مولانا کی علاتی ماں نے فوجداری میں مقدمہ چلایا۔ مولانا مصلح الدین کے نام سمن جاری ہوا وہ حاضر ہوئے۔ آخر میں خود مولانا نے حاکم سے کہا کہ میں اپنی خوشی سے چلا آیا ہوں کیونکہ میرا لکھنا پڑھنا وہاں نہیں ہوتا۔ بس اسی بیان پر مقدمہ خارج ہوگیا۔

مولاناؒ اس بات کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ خدا نے مجھے مربی کی توجہ سے وہاں سے نکالا نہیں تو صرف عیش و آرام میں رہ جاتا لکھنا پڑھنا کچھ نہ ہوتا۔

واقعہ۔ جس زمانہ میں مولاناؒ قرآن پاک یاد کرتے تھے کچھ دنوں اپنے اُستاد کے ساتھ جامع مسجد مدرسہ قرآنیہ میں بھی جاتے تھے اس آمد و رفت کے درمیان ایک فقیر سے ملاقات ہوگئی تو وہاں بھی بعض وقت جا رہتے۔ کسی کو معلوم نہ تھا۔ آخر ایک روز فقیر صاحب ملا ٹولہ کی مسجد میں بھی آئے اور ایک شب وہاں رہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو احقر کے چھوٹے ماموں صاحب جو بہت ذہین و فطین اور نہایت تیز اور شجاع تھے۔ فقیر کے پاس آئے اور فقیری کے متعلق کچھ پوچھا پھر لطائف ستہ کا سوال کیا غرض معلوم ہوا کہ وہ فقیر ناخواندہ ہے۔ تب دھمکا کر اس کو بھگا دیا۔ وہ پھر کبھی نہیں آیا۔

مولانا کو ابتدا سے درویشوں اور اللہ والوں کی تلاش رہتی تھی۔

واقعہ۔ زمانہ طالب علمی میں معمولاً بعد طعام کے اور ناشتہ کے وقت عمدہ مٹھائی تناول فرماتے اور غذا جیسی قدر بھی ہو مگر لطیف اور خوشگوار ہوتی تھی۔ اکثر زمانہ قیام جونپور میں اس چیز کو شربت

طعام فرماتے تھے اور اکثر اپنے ہم عمر اور احباب کو جب کوئی خوانچہ والا آجاتا تو کباب، مٹھائی وغیرہ خرید کر کے کھلاتے یہ اس وقت کا حال ہے جبکہ خود کماتے نہ تھے اور عزیزوں سے جو کچھ امداد ہوتی تھی۔ اسی سے گذر کرتے تھے۔

واقعہ۔ جب مولانا لکھنؤ تشریف لے گئے تھے زمانہ طالب علمی کا تھا۔ اپنے پاس سے کھاتے تھے۔ اس وقت اس ناچیز کے لیے بعض کتب درسیہ وہاں سے ارسال کیا تھا۔ جس میں سے ایک شرح تہذیب اور دوسری بدیع المیزان کا نام اسوقت یاد ہے۔ اس سے اپنے ہم صحبتوں کی امداد کا ثبوت ہوتا ہے۔

واقعہ۔ جب مولانا مکہ معظمہ میں پڑھتے تھے اس وقت مولانا کے ایک ہم سبق، مدرسہ حنفیہ کے متصل مکہ معظمہ موسم حج میں آگئے تھے واپسی کے وقت مولانا نے ایک خط اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالفتاح مرحوم کو اور ایک خط اس احقر کو لکھ کر ان کے ذریعہ سے ابلاغ فرمایا۔ جن لوگوں نے عرب کا سفر کیا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ اس سرزمین میں جا کر ہر کوئی اپنے نفس سے مشغول ہو جاتا ہے۔ اپنے ساتھی اور ہم سفر تک کا خیال نہیں رہتا۔ مگر مولانا کے حقیقی تعلق اور رابطہ کی

مضبوطی کا بیّن اور ظاہر ثبوت ہے کہ میرے ایسے ہیچ اور ناقابل التفات شخص کو ایسے مقام میں بھی فراموش نہ فرمایا اور اپنے مکتوب خاص سے دلچسپی و سرفرازی بخشی۔

واقعہ۔ مولانا جب مکہ معظمہ سے تشریف لائے تو وہاں کے خاص ملبوس سے ایک عبائے سیاہ جو خود پہنے ہوئے تھے اتار کر مجھے باصرار پہنا دیا۔ ہرچند عذر کرتا رہا مگر سنوائی نہوئی اور میرے خالہ زاد بھائی مولانا عبدالحی صاحب کو ایک قلمدان جو کہ مکہ کا نہایت مضبوط اور خوبصورت اور قابل سفر میں رکھنے کے تھا عطا فرمایا۔ اور ناچیز کو دو کتابیں مطبوعہ مصر۔ ایک شرح الفین دوسری شرح تعلیم المتعلم عنایت فرمایا۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ مولانا عرب سے یک بیک روانہ ہو کر چلے آئے تھے۔ اخراجات بھی کافی طور پر نہ تھے اسیواسطے حیدرآباد ہو کر آئے اور وہاں سے جون پور تک کا کرایہ ایک معتمد شخص سے بطور قرض لیکر تشریف لائے تھے۔ ایسی صورت میں سوغات اور تحائف اپنے متعلقین کے لئے حسب حیثیت لاکر دینا کمال درجہ علو ہمت اور سخاوت کی نشانی اور دلیل ہے۔

واقعہ۔ ایک زمانہ میں تعلیم و تعلم کی گفتگو پر مولانا نے فرمایا

ہم لوگ تو اکثر بنگال چلے جایا کرتے ہیں اور ابو البشر مکان پر
رہ کر حسب فرصت بعض لڑکوں اور طلبہ کو کچھ پڑھا دیا کرتے ہیں
تو ان کی گذر کے لئے کچھ خیال کرنا مناسب ہے۔ سب لوگ تھوڑا
تھوڑا دیا کریں۔ پھر فرمایا میرا تو کوئی لڑکا بالا پڑھتا نہیں پھر بھی
میں بالفعل چھ روپیہ ماہوار اس شرط پر مقرر کرنے کا وعدہ کرتا ہوں
کہ اور لوگ بھی حسب وعدہ دیا کریں اور اگر کوئی کچھ بھی نہ دیوے
تب بھی دس ماہ تک میں دیتا رہوں گا۔
چونکہ یہ گفتگو یہاں تک ہو کر رہ گئی۔ پھر مولانا بنگال چلے
گئے۔ کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ مولانا نے یکایک ساٹھ روپے بر
بابتہ دس ماہ کے احقر کے نام بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیئے۔
اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولانا کو علمی مذاق اور
اس کے بقا و اجرا کا کہاں تک خیال تھا اور یہ کہ جو زبان سے وعدہ
کر دیتے اس کے بجا لانے میں تعجیل اور ہمت کرتے۔
واقعہ۔ مولانا کی بڑی دختر آمنہ بی بی کی پیدائش کے وقت
مولانا مکان پر تھے اور بہت آرزو کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی
کہ خدا نے صاحب اولاد کیا اسوقت خرچ کی جانب سے تنگی تھی۔
دل میں تردد تھا۔ فرمایا کہ بھائی صاحب کے پاس لکھنے ہوئے

شرم آتی ہے اور اکثر عدیم الفرصتی کے سبب خطوط کے جوابات بھی نہیں دے سکتے۔ تو آپ مناسب طریق پر بھائی صاحب کے پاس اطلاع دیدیجئے۔ تو انشاء اللہ آپ کی تحریر بے اثر نہ ہوگی اور کچھ معاوضہ مخلصانہ میری جانب سے بھی ملے گا۔ بندہ نے ایک عریضہ حضرت مولانا حافظ احمد صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت مولانا مغفور نے اس کے جواب میں ایک رجسٹری شدہ خط مولانا عبدالاول صاحبؒ کے نام بھیجا۔ اتفاق سے بندہ بھی موجود تھا۔ کہا کہ میاں ابو البشر بھائی صاحب کا خط تو آگیا۔ دیکھیں کیا جواب دیا۔ کھولا تو اندر خط کے ایک سو روپیہ کا نوٹ ہے لیکن بوجہ عدیم الفرصتی کے حضرت مولانا نے کوئی تحریر اس میں نہیں لکھی تھی۔

غرض اس سو روپیے میں سے چار روپیہ مجھے بھی دیا۔ اور کہا کہ یہ شکریہ ہے۔ غرض ایسے واقعات صدہا ہوتے رہتے تھے کس کس کو یاد کروں اور کہاں تک لکھوں۔

مولانا کی وفات کے بعد سے جو دل پر صدمہ ہے وہ خدا کو معلوم ہے۔ اب لکھنے پڑھنے کی طرف نہ وہ جوش ہے نہ مضمون آفرینی سب مولانا کے ساتھ ساتھ

رخصت ہو گیا ہے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

واقعہ۔ ایک زمانہ میں جج امیر علی صاحب اور اُن کے بعض ہم خیالوں نے یہ رائے پیش کی تھی کہ مسلمان فنڈ کا بہت سا روپیہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی عربی تعلیم پر صرف ہوتا ہے۔ جس سے کوئی نتیجہ دنیاوی نہیں۔ اسلام کے بقا اور نماز کے لئے کلمہ اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا یاد کر لینا کافی ہے۔ اسی روپیہ سے اُن کی دنیاوی تعلیم دیجائے جس سے اُن کو سرکاری نوکریاں مل سکیں۔

اس کی مخالفت میں جج عبدالرحمٰن صاحب نے بہت کوشش کی اور نواب ڈھاکہ و نواب مرشد آباد وغیرہ کو اپنا موید بنایا اور ایک عرضداشت لندن بھی بھیجنے کا بندوبست کیا۔

مولانا عبدالاول صاحب سے بھی اس بارے میں تحریری مدد چاہی۔ مولانا اسوقت کلکتہ سے جونپور آرہے تھے۔ فرمایا کہ اچھا جونپور پہنچکر اس کے متعلق تحریر بھیجوں گا۔

جونپور آکر کچھ طبیعت میں تغیر اور بعض عوارض پیدا ہوئے یہاں تک کہ طبیب سے رجوع کرنا پڑا۔ ایسے وقت پھر جج صاحب کا خط آیا کہ میں نے اس کے متعلق کل تحریرات کو اکٹھا کر کے چھاپہ خانہ میں دے دیا ہے اور لندن بھیجنے کی تاریخ بہت قریب آگئی ہے۔

مولانا نے اس وقت احقر کو بلا کر خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور کہا کہ اس تجربہ کے کام کو انجام دو۔ اور قلم دوات اور کاغذ دیدیا اُن کی ہدایت کے بموجب بندہ نے ایک تائیدی مضمون لکھا جس میں مدرسہ کی ضرورت کو اور اس کے فوائد جو مسلمانوں کو بالعموم پہونچے اور پہنچ رہے ہیں سب کو اسیطرح لکھ کر مولانا کے سامنے پیش کیا مولانا بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت ایک شالی رومال اُڑھا دیا اور کئی روپیے نقد عطا کئے حالانکہ یہ کوئی ایسا خاص کام مولانا کا نہ تھا بلکہ یہ ایک اسلامی کام تھا باوجود اس کے مولانا نے احقر کے حوصلہ بڑھانے اور صلہ رحمی فرمانے کو مدنظر رکھا۔

جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیرا

واقعہ۔ مولانا بعض وقت لوگوں کی وقتی ضرورتوں کے
رفع کرنے کو اپنے ضروری اخراجات کو ملتوی کر کے قرض
حسنہ دیکر لوگوں کا کام چلا دیتے تھے۔ مگر مولانا کے حسن اخلاق
کے سبب وقت پر وہ لوگ قرض ادا کرنے میں حیلہ حوالہ
کرتے حالانکہ روپیے موجود ہوتے۔ ایک مرتبہ جون پور
کے ایک متمول شخص نے اپنی خاص ضرورت کے وقت
مولانا سے دوسو روپیے قرض لئے اور وعدہ پر ادا نہ کیا
مولانا کا معمول تھا کہ آمدنی کے وقت لڑکے بالوں کے
روزمرہ اخراجات کے بعد اگر کچھ قرض کسی کا ہوتا تو پہلے
ادا کرتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی دستگیری
بھی فرماتے۔ جب اور فراغت اور وسعت ہوتی تو تقریباً
ایک سال یا چھ ماہ کے اخراجات کے انداز پر کچھ سرمایہ
امانت رکھ دیتے۔ جب اس سے مطمئن ہو جاتے تو پھر
بوقت آمدنی دیگر مصارف مثل کتب جدیدہ دینیہ کا
منگوانا۔ کتابوں کا چھپوانا۔ تعمیرات میں لگاتا۔ اور
ایسے وقت میں کسی معتمد علیہ کو تنگی میں دیکھتے اور وہ
بطور قرض دو چار سو چاہتا تو موجود رہنے پر انکار نکرتے

بلکہ بعض وقت اخراجات خانہ داری کے لئے جو تحویل امانت ہوتی، اس سے بھی لوگوں کا کام چلا دیتے جب وقت پر وہ روپیہ نہ ملتا اور ہاتھ تنگ ہوتا تو پھر قرض لینے والے سے طلب کرتے۔ پس ایسی ہی ضرورت کے وقت مولانا نے شخص مذکور سے تقاضا کیا مگر کئی وعدے گذر جانے پر مولانا کو دقت پیش آئی تب محلہ کے ایک حافظ صاحب کو فرمایا کہ آپ وصول کر کے لادیں تو آپ کو حق المحنت کچھ دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ حافظ صاحب کوشش کر کے روپے وصول کر لائے۔ مولانا نے پچیس روپے حافظ صاحب کو عطا فرمائے۔ وہ غریب آدمی تھے دو چار روز میں ایک اچھی رقم پاکر بہت خوش ہوئے۔

ایسے موقعہ پر اگر کوئی کہتا کہ اتنی زیادہ رقم ذرا سی بات میں آپ نے دیدی تو فرماتے کہ بھائی لوگوں کے اخلاق آج کل بدل گئے۔ احسان کرنے پر بیوفائی کرتے ہیں تو اگر میں بھی بیوفائی کر کے نالش فریاد کرتا تو خواہ مخواہ وکیل و مختار کی نذر دس بیس روپے ہوتے اور مروت بھی جاتی رہتی تو یہ روپیہ محلہ کے ایک غریب نے پایا تو اس میں بھی اجر و ثواب ہے۔

واقعہ۔ مولانا کو قرآن پاک سے ایسی دلچسپی اور لگاؤ تھا کہ اگر کوئی عمدہ پڑھنے والا قاری ملجاتا تو اس سے قرآن سنتے اور اس کی عزت افزائی فرماتے۔ رمضان شریف میں اکثر راتوں میں مساجد کی سیر کرتے اور حفاظ کا پڑھنا سنتے۔

ایک بار جون پور کے قلعہ کی مسجد میں شبینہ کا بندوبست ہوا۔ مولانا نے سنا تو گاڑی منگواکر قرآن پاک سننے چلے احقر کو بھی ساتھ لیا۔ تین تین پارہ کر کے متفرق حافظوں نے پندرہ پارے تک پڑھا۔ پھر ایک نووارد حافظ صاحب بریلی کے رہنے والے کھڑے ہوئے اُن کا پڑھنا نہایت صاف تھا اور حفظ بھی اُن کا پختہ تھا۔ کہیں کوئی لفظ دبتا نہ تھا اور نہ زبان رکتی تھی۔ جب تین پاروں کے بعد سلام پھیرا تو مولانا نے پھر انھیں حافظ صاحب کو کھڑا کیا اور فرمایا کہ آپ کے پڑھنے میں صفائی بھی ہے اور جلد جلد ہوتا جاتا ہے۔ جہاں تک ہوسکے پڑھتے جائیے۔ پھر وہ حافظ صاحب نے سات پارے اور پڑھ کر جب سلام پھیرا تو مولانا نے اپنی گھڑی حافظ صاحب کو خوش ہو کر دے دیا۔ پھر اُن کو مدعو فرمایا کہ مجھ سے ملاقات کیجئے گا۔ جب وہ مکان جانے لگے تو مولانا نے جونپور کا تحفہ

عطر و تیل اور کچھ خاص مٹھائیاں اور بیس روپے نقد اُن کو دیئے۔ محض اس بات کی قدر فرمائی کہ قرآن پاک عمدہ پڑھتے اور جید حافظ تھے۔ حالانکہ خود بھی حافظ اور مُجوّد تھے۔

آجکل ہم لوگوں میں اگر ذرا سا کوئی کمال ہوا تو کسی کمال والے کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ مولانا کا خاص کمال تھا کہ کمال والے کے سامنے اپنے کمال کو بھول جاتے تھے۔

جنھوں نے مولانا کے اخلاق و عادات کو دیکھا ہے وہ اس صفت کو مولانا کے تمام معاملات میں دیکھیں گے۔ اور اس سوانح کے ہر ایک واقعہ سے اس کا ثبوت ملے گا۔

مولانا احقر سے فرماتے تھے کہ ابھی تو زندہ ہیں لوگوں کی معائب پر نظر ہے۔ مرجانے کے بعد شاید کسی بات کو خیال کر کے ہم لوگوں کو بھی لوگ یاد کریں گے۔ احقر نے عرض کیا کہ میرے ایسے مفقود الکمال کو تو کوئی بھول کر بھی یاد نہ کریگا البتہ آپ کو خدا نے اس وقت بھی مقبول امام بنایا ہے اور بعد کو لوگ حسرت کریں گے کہ ایسے جامع الاوصاف سے ہمارا مجمع خالی ہو گیا۔

آج وہی وقت ہے کہ مولانا کو یاد کر کے ہر صاحب تمیز اور

ہر ایک علم دوست حسرت و افسوس کر رہا ہے۔ اللہ رب العالمین
جنت میں ہم سب لوگوں کو جمع فرمائے۔ دنیا میں بجز صبر کے
اس کی تلافی ممکن نہیں۔
واقعہ۔ ایک بار فرمانے لگے کہ میاں زندگی آنی و فانی ہے
موت کا وقت معلوم نہیں۔ مرنا لازم۔ نمعلوم کب کون مرجائے
خدا نے بہت آسائش سے رکھا۔ مقاصد پورے فرمائے۔
ایک تمنا رہ گئی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت۔ تو ہم دونوں میں جو
پہلے مرجائے اور جو باقی رہے وہ اس تعلیم و تربیت کو اپنی
وسعت و قوت بھر اپنے ذمہ رکھے۔ احقر نے عرض کیا کہ
اُمید تو یہ ہے کہ آپ کو خدا اس آرزو کے پورا کرنے کا موقع
دے گا اور بظاہر صحت و حسن معاشرت و تدبیر منزل کے
لحاظ سے آپ کی موجودہ حالت اور میری حالت سے بہت تفاوت ہے
جسمانی کمزوری۔ قلبی ضعف اور بعض آثار سے اندازہ کیا جاتا
ہے "اگر باند شبے ماند شب دیگر نمی ماند۔

اس واقعہ سے مولانا کا باوجود جاہ و جلال اور ہر طرح
کے اطمینان کے موت اور فنا سے غافل نہونا اچھی طرح ظاہر
ہوتا ہے۔ اور یہ کہ آخر وقت تک بچوں کی حسن تعلیم و حسن اخلاق

وتر بینا سے غافل نہ رہے۔

واقعہ۔۔وفات سے پہلے بنگال کے سفر میں اپنے بڑے بیٹے مولوی حافظ محمد حماد اور مولوی عبدالباطن کو ساتھ میں رکھ کر بعض مقامات میں کچھ بیان کرایا بعض دعوتوں میں بجائے اپنے بھیجدیا۔ رنگپور کے سالانہ جلسہ میں لیجا کر ہر ایک سے شناسا کردیا۔ مواعظ کا کام بھی لیا اور عذر کیا کہ میری طبیعت میں ضعف ہے مواعظ کا کام پورا نہیں کرسکتا اس واسطے ان دونوں بچوں سے اپنے سامنے کام لیتا ہوں۔

اس سے مولانا کی کمال فطرت اور اپنے کار منصبی کا تفویض فرمانا اور بچوں میں پہلے سے اس کام کی استعداد پیدا کرادینا بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ مولانا کو باوجود کمال صحت اور پوری تندرستی کے موت کی طرف سے غفلت نہ تھی اور ہر سال وماہ اور ہر دن کو آخری سال وماہ اور آخری دن تصور فرماتے تھے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی موت کا خطرہ ہر وقت رہتا تھا اور یہ اطمینان نہ تھا کہ میں اس سال زندہ رہوں گا۔ بلکہ ہر ساعت

زندگی کی طرف غیر مطمئن اور موت کے منتظر رہتے تھے۔

چنانچہ مروی ہے کہ پیشاب کے بعد آپ ڈلاکلوخ سے پاکی حاصل فرما لیتے پھر خادم استنجے اور وضو کے لئے پانی لینے جاتا تو آپ تیمم کرکے پاک ہو جاتے اور فرماتے کہ اگر پانی لاتے لاتے موت آجائے تو پوری طہارت موجود رہے۔

واقعہ ۔ مولانا کو ابتدائے زمانہ میں مواعظ سے دلچسپی زیادہ تھی اور جب کسی بیان کا قصد ہوتا تو اس کے متعلق دو چار روز پہلے سے کتابوں کا مطالعہ کرکے اچھی طرح تیار ہو جاتے تھے اور بروقت اگر کوئی ہزار کہے تو جلدی بیان کرنے کو گوارا نہ فرماتے اور اکثر عذر کر دیتے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرماتے تھے کہ میاں ہر وقت خاص خاص مضامین مستحضر نہیں رہتے اور آدمی جب کوئی بات کہنے کا ارادہ کرے تو پہلے سے ذہن میں حاضر کر لے ورنہ کہیں سے کہیں ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ میرا نام جو اس قدر لوگوں میں مشہور ہے کہ بیان سننے کے متمنی رہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں خوب اچھی طرح تمام مضامین کو پہلے سے ذہن نشین کر لیتا ہوں اور احتیاط کیلئے کسی کاغذ پر ہر بات کا اشارہ بھی لکھ لیتا ہوں۔ تو اگر

کسی کے کہنے سے اپنے طریقہ اور عادت کے خلاف بغیر تیار ہوئے بیان کردیں تو پھر یہ بات غالباً نہ رہ جائے۔

احقر کہتا ہے کہ یہ مولانا کی کمال احتیاط تھی اور اپنی عادات اور وضع کے خلاف نہ کرنے میں بہت مستقل تھے ورنہ مولانا کی وسعت معلومات بالخصوص تواریخ و سیر میں اس درجہ کی استعداد تھی کہ اپنے حافظہ کی وجہ سے معمولی بات چیت کے وقت بھی جب کسی کا تذکرہ آجاتا تو ایسے دلچسپ اور نادر واقعات مع حوالہ کتب بیان فرماتے کہ سامعین ہمہ تن گوش بجاتے اور محظوظ ہوتے۔

واقعہ۔ ایک بار لوگوں کی خواہش ہوئی کہ محرم میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی شہادت بیان ہو۔ مولانا نے منظور فرمایا۔ محرم سے کچھ پہلے مواعظ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ابتدا اس نزاع کی کب سے پیدا ہوئی۔ مع شہادت حضرات عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بیان فرمائی۔ پھر عشرہ محرم میں واقعات کربلا کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا غالباً دو جمعہ میں یہ بیان ختم فرمایا اور بعد واقعہ شہادت جو جو وقائع ہوئے اُن کو بقیہ ایام محرم میں پورا کیا۔ سامعین کا مجمع نہایت درجہ بڑھ گیا تھا۔ بعض شیعہ مذہب کے لوگ بھی

حاضر ہوتے تھے۔

اس سلسلہ و شان کے ساتھ کبھی یہ بیان جون پور میں کسی عالم نے نہیں بیان کیا تھا۔ اور نہ اب تک ایسا بیان بھر سنا گیا۔

واقعہ۔ ایک مرتبہ جونپور میں ایک میلاد خواں نے کسی مجلس میں بیان کیا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین ہیں۔ لوگوں نے مولانا رح سے آکر پوچھا کہ ایسا کہنا تو کبھی سُنا نہیں۔ کیا واقعی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا کہ رب العالمین کا لفظ صرف خدا پر بولا جاتا ہے۔ اس لیئے سوائے خدا کے کسی پر کہنا اس لفظ کا نہ چاہیئے۔

چونکہ لوگوں کا یہ معمول ہے کہ ایک بات کو ادہر سے اُدہر گھٹا بڑھا کر ضرور پہونچاتے رہتے ہیں۔ اس لیئے اس قصہ کو خوب پھیلایا۔ یہاں تک کہ مدرسہ حنفیہ کے مدرس اعلیٰ کی خدمت میں یہ قصہ پہنچا اور استمداد چاہی گئی۔ انھوں نے بعض تاویل سے جائز کہدیا ہوگا۔ غرض ادہر ادہر خبریں آنے لگیں۔ تب مولانا کو خیال ہوا کہ اب یہ قصہ شہر میں نہایت شہرت پذیر ہوگیا اسکے متعلق صاف صاف حکم سنا دیا جائے تاکہ عوام کو تردد اور دھوکا نہ رہ جائے مولانا رح ہر ایک مسئلہ کے متعلق ایک نتیجہ خیز مضمون اختیار

کر لیتے تھے جس پر فیصلہ اور خاتمہ ہو جائے۔

الغرض مولانا نے جمعہ کے پہلے قرآن مجید کی تلاوت شروع فرمائی اور محلہ کے مخصوص حافظوں سے کہا کہ آپ لوگ بھی تلاوت کیجئے۔ اور جہاں جہاں رب العالمین کا لفظ آئے نشان رکھتے جایئے۔ آخر مولانا نے بعد ختم تلاوت تمام نشانات کے مجموعہ کو ملایا تو غالباً چالیس جگہ قرآن پاک میں اس کا اطلاق پایا گیا پھر بعد نماز جمعہ اس کے متعلق خوب اچھا بیان فرما کر آخیر میں کہا کہ قرآن پاک میں چالیس جگہ یہ لفظ مذکور ہے۔ سب جگہ صرف خدا پر اس کا اطلاق آیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی کسی نبی یا خاتم النبیین پر یہ لفظ بولا نہیں گیا تو اب جو کوئی اس کے خلاف کہے اس کا قول قرآن کا الٹا اور خلاف ہوگا

جب یہ خبر مدرسہ حنفیہ میں پہونچی اسی وقت حافظوں کو بلایا گیا اور مدرسہ قرآنیہ کے صدر مدرس رئیس الحفاظ سے پوچھا گیا کہ بتلاؤ کہ رب العالمین کا لفظ کہاں کہاں قرآن میں ہے۔ اور سب کا مجموعہ چالیس ہوتا ہے یا کم زیادہ۔

تمام موجودہ حافظوں میں سے کسی سے بھی اس کا جواب نہ ہو سکا۔ مدرسہ کے بڑے مولانا بہت خفا ہوئے کہ تم لوگ

حافظ کہلاتے ہو اور ہمیشہ قرآن خوانی میں لگے رہتے ہو۔ اتنی سی بات بتا نہ سکے۔

حالانکہ مولانا مرحوم نے محض اپنے حافظہ سے نہیں بتلایا تھا بلکہ تلاوت فرما کر اولاً حساب کر کے معلوم کر لیا تھا تب بتلایا۔ آخر مولانا کے بیان کے بعد شہر میں اطمینان ہو گیا اور قصہ ختم ہو گیا۔

واقعہ۔ اس واقعہ پر ایک واقعہ اور یاد آ گیا۔ انہیں ایام میں ایک جھگڑا "مشکل کشا" کا آ گیا تھا۔ وہ بھی ایک میلاد خواں کی بدولت۔ اس زمانہ میں مولانا کے بھائی مولانا عبدالمتین مرحوم جون پور میں بمرض ضیق النفس مبتلا تھے۔ اور اسی بیماری کے سبب برسوں سے خانہ نشین تھے جب یہ جھگڑا پیش ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "مشکل کشا کہنا چاہیئے یا نہیں۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ اکثر شیعہ مذہب کے لوگوں میں معمول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہتے اور سمجھتے اور مشکلات کے وقت ان کا نام لیتے اور مشکل کشا کے نام کا روزہ رکھتے ہیں۔ اور ہم سنیوں میں اس کا دستور نہیں۔ پس اس لفظ کو

بولنا دو وجہوں سے نہ چاہیئے۔ ایک تو یہ لفظ موہم شرک ہے۔ اس سے عوام کے عقیدہ اور ایمان میں خلل اور کمزوری پیدا ہوگی۔ دوسرے اس لفظ کا استعمال اہل بدعت کے شعار اور عادات سے ہے۔ لہذا سُنیوں کو عادات اور شعار اہل بدعت و اہل فسق سے بچنا لازم ہے۔ جب اس ممانعت کی خبر جانب مخالف میں پہونچی ادھر سے اس پر زور دیا جانے لگا۔ اسی اثنا میں مولوی عبد الحمید بنارسی بھی بلائے گئے اور انہوں نے میلاد کے ضمن میں اس مسئلہ پر زور دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا درست ہے اور کہنا چاہیئے اور اس مضمون کا ایک اشتہار مولوی صاحب کے نام سے شایع ہوا۔ پھر اس کا جواب بھی ساتھ ہی ساتھ شایع کر دیا گیا۔ اس مسئلہ میں بھی مدرسہ حنفیہ کے بڑے مولانا کو تکلیف دی گئی۔ اور ان سے استمداد چاہی گئی۔ انہوں نے لوگوں کے رونے گانے سے کچھ امداد فرمائی۔ اور ایک خادم خاص کے ہاتھ سے مولانا عبد المتین مرحوم کے پاس "جواہر خمسہ" اور شاہ ولی اللہ صاحب

محدث علیہ الرحمہ کی کتاب "انتباہ" بصیدہی اور رقعہ میں لکھا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مجھکو جواہر خمسہ" کی سند ہے اور جواہر خمسہ میں ناد علیا کی دعا موجود ہے۔ جس سے حضرت علیؓ کا مشکل کشا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو مانتے ہو تو جواہر خمسہ کو ماننا پڑے گا اور جواہر خمسہ کو ماننے سے ناد علیا کی دعا کو ماننا پڑے گا اور اس دعا سے حضرت علیؓ کا مشکل کشا ہونا ضمناً معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم بہت زیرک تھے۔ خادم سے کہا ذرا ٹھہر جاؤ میں ابھی کتاب دیکھکر حوالہ کئے دیتا ہوں۔

مولانا مرحوم نے صدر مدرس مدرسہ حنفیہ کی خدمت میں نہایت ادب سے لکھا کہ اولاً جواہر خمسہ مطبوعہ میں خود اختلاف ہے۔ ہر ایک مطبع والا لکھتا ہے کہ میری جواہر خمسہ خاص مولف کی تصحیح کردہ ہے۔ باوجود اسکے بعض جواہر خمسہ میں ناد علی نہیں ہے اور بعض میں حاشیہ میں لکھ دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل جواہر خمسہ میں ناد علی کی دعا نہیں ہے اور بعض میں بطور حاشیہ کے جو لکھا ہے

وہ الحاق ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے جواہر خمسہ میں نادعلیا کی دعا نہ رہی ہوگی۔ اور اس کا ہونا مان بھی لیا جائے تو شاہ صاحب نے جب جواہر خمسہ کی سند لی تو اس سے یہ بات لازم ہے کہ ہر ایک پر عمل بھی رہا ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر بخاری و مسلم و دیگر صحاح کی سند کے یہ معنی ہوں گے کہ ہر ایک حدیث آمین بالجہر و رفع الیدین و ارسال سب پر عمل بھی لازم ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ اس جواب کے بعد پھر کوئی تحریر نہیں آئی۔

غرض مولانا مرحوم بھی بنگال سے آ گئے تھے اور اس مسئلہ کے متعلق اپنے بھانجے مولانا عبدالمتین کی تقریر کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس جمعہ میں کچھ بیان بھی کر دو۔ چنانچہ باوجود معذوری اور کمزوری کے مولانا کے حکم سے اس کے متعلق نہایت پر زور اور مسکت بیان شرح و بسط سے کیا۔ مولانا بہت خوش ہوئے اور اپنی ایک قیمتی گھڑی مولانا عبدالمتین مرحوم کو نکال کر دیدی۔ اور کہا کہ تمہارے عمدہ اور نتیجہ خیز بیان کا یہ انعام ہے۔ اس واقعہ سے مولاناؒ کی قدردانی اور

عزت افزائی اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ حسن معاملات اور حسن سلوک کا پتہ چلتا ہے۔

واقعہ۔ ایک مرتبہ جون پور شہر کے بعض دین دار مسلمانوں نے مولانا کے پاس آکر کہا کہ عیدگاہ کا بقیہ فرش بھی بنجاتا تو مصلیوں کو آرام ملتا چونکہ اس کے پہلے مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم کی تحریک سے فرش کا کام شروع ہوا تھا۔ پھر مولانا محمد محسن صاحب مغفور کی توجہ سے ایک حد تک کام ہوکر بعض موانعات پیش ہو گئے تھے۔ مولانا نے اس بات کو یاد کر کے کہا کہ ضرور اس کام میں آپ لوگ کوشش کریں اور مجھ سے بھی جو کچھ ممکن ہوگا بذات خود امداد بھی کروں گا۔ چنانچہ مبلغ دو سو روپیہ عیدگاہ کے فرش کیواسطے بنگال کے سفر سے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیا۔

اس سے مولانا کی علو ہمت اور نیک کاموں میں خود بھی شرکت کرنے اور لوگوں کی التماس منظور فرمانے کا ثبوت کافی طور پر ہوتا ہے۔

بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ

واقعہ۔ جب مدرسہ حنفیہ کے قدیم مدرس حضرت مولانا محمد ہدایت اللہ خاں صاحب مغفور کی وفات ہوگئی تو مدرسہ کی رونق اور شان جاتی رہی۔ اور اس درجہ کے طلبہ اور نامی علماء جو مولانا رامپوری کے زمانہ میں ہمیشہ مدرسہ میں حاضر ہو کر کتب قدیمہ کی تکمیل کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کا آنا بند ہوگیا۔ اس وقت نواب صاحب جون پور نے رام پور کے ایک مشہور مدرس مولانا ظہور الحسن صاحب کو بلا کر مدرسہ میں رکھا۔ اگرچہ وہ بات حاصل نہ تھی۔ پھر بھی کسی قدر مدرسہ میں سلسلہ پڑھائی کا شروع ہو گیا تھا۔ نمعلوم مولانا ظہور الحسن صاحب کس وجہ سے رام پور واپس چلے گئے اور مدرسہ خالی ہوگیا۔

نواب صاحب جونپور کو اپنے مدرسہ کے لئے ایک کامل اور نامی مدرس کی تلاش تھی۔ اس زمانہ میں موضع مانی کلاں ضلع جونپور کے مشہور مدرس مولانا ماجد علی صاحب ہیڈ مدرسہ مدرسہ سے مستعفی ہو کر مکان پر چلے آئے تھے۔ چونکہ مدرسہ قرآنیہ جامع الشرق کے مدرس اول مولوی حافظ محمد صدیق صاحب مولانا ماجد صاحب کی اعلیٰ قابلیت ولیاقت سے واقف تھے انہوں نے نواب صاحب جونپور سے ان کا ذکر کیا۔ نواب صاحب کی

منظوری کے بعد بذریعہ حافظ صاحب ممدوح مولانا ماجد علی صاحب مدرسہ میں آ گئے اور درس شروع ہوا۔ چونکہ ان کا نام دہلی وغیرہ کی طرف بہت مشہور تھا اس لئے طلبہ کا ایک اچھا خاصا مجمع مدرسہ حنفیہ میں ہو گیا۔

جب مشاہرہ ملنے کا وقت آیا تو مولانا ماجد علی صاحب کو پچاس روپے دئے گئے۔ مولانا کو اور تمام طلبہ و باشندگان شہر کو امید تھی کہ مثل مدرس سابق سو روپیہ ان کو بھی ملے گا۔ جب نصف کی کمی رہی تو ادھر سے عذر ہوا کہ کم سے کم سو روپیہ تو ملنا ضرور چاہئے۔ کیونکہ مولانا ماجد علی صاحب جس طرح معقولات میں کامل اسی طرح دینیات کی کل درسیات کے ماہر ہیں۔ تو ان کی لیاقت و محنت و کارگذاری کے مقابلہ میں باعتبار معقولات و منقولات و جامعیت کے نسبت دیگر مدرسین کے ترقی ہونی مناسب تھی۔ نہ کہ مساوات کے درجہ سے بھی گرا کر ان کے اعزاز کو گھٹایا جاتا ہے۔ ممکن تھا کہ مولانا ماجد علی صاحب وطن کے لحاظ سے اس مقدار قلیل کو بھی گوارا کر لیتے لیکن اُن کے ناحی اور دلدادہ طلبہ نے اس تقلیل کو اپنے استاد کی تنقیص خیال کر کے مولانا کو مجبور کیا۔ آخر شہر والوں کو معلوم ہوا کہ مولانا ماجد علی صاحب

اور ان کے طلبہ سب کے سب چلے جائیں گے تو وہ لوگ اپنے شہر کی رونق اور ناموری کی بقا کے لئے نواب صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ تاکہ نواب صاحب مولانا ماجد علی صاحب کو بھی مثل مولانا ظہور الحسن صاحب کے پورا سو روپیہ عطا فرمائیں۔ نواب صاحب نے کسی مصلحت سے اہل شہر کی درخواست کو رد کر دیا۔ تب وہ لوگ ہمارے مولانا حافظ عبد الاول صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس معاملہ میں آپ تکلیف فرما کر نواب صاحب کے پاس چل کر سفارش کریں مولانا مستعد ہو گئے۔ اور چلتے وقت احقر کو بھی اپنے ساتھ گاڑی میں لے کر نواب صاحب کی کوٹھی میں پہونچے۔ وہاں اہل شہر میں سے اکثر دیندار حاضر تھے۔ آخر مولانا نے اس بارہ میں مناسب طریقہ پر نواب صاحب کو سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوئے اور کہا کہ بالفعل یہ پچاس روپے ملیں گے۔ بعد کو دس دس روپے ترقی کر کے ستر روپے کر دوں گا۔ جو اُن کو میدھو میں ملتا تھا۔ اور اگر وہ منظور نہ کریں تو میں ان سے بہتر مدرس بہت جلد اسی تنخواہ پر منگوا لوں گا۔ آج کل نوکری ملتی کہاں ہے پچاس روپے سے کم پر کتنے مدرس کام کرنے پر مستعد اور متمنی ہیں۔ جب مولاناؒ اور

اہل شہر مایوس ہو کر نکلے تو پھر اس قصہ کو ختم کر دیا۔ کہ اب نواب صاحب سے کہنا سُننا بے فائدہ ہے۔

مولانا ماجد علی صاحب مدرسہ سے نکل آئے تو اہل شہر نے مسجد اٹالہ میں اون کے لئے ایک مدرسہ کی جدید بنیاد تجویز کی اور کہا کہ ہم لوگ غریب ہیں لیکن آپ کو شہر سے جانے نہ دیں گے۔ اور مشاہرہ دینے کی طاقت نہیں۔ صرف آپ کی خوراک کے لیے پچاس روپیہ دیں گے۔ مولانا ماجد علی صاحب راضی ہو گئے۔ صرف یہ خیال تھا کہ ہمارے طلبہ جو مدرسہ چھوڑ کر نکل آئے ہیں اُن کا کیا بندوبست ہو گا۔ اس پر اراکین شہر نے محلوں میں جاگیروں کا بندوبست کر دیا اور مسجد آٹالہ میں درس جاری ہو گیا۔

اس کے بعد مولوی محمد عثمان صاحب وکیل مرحوم مغفور کے مکان پر اس جدید مدرسہ کی بقا کے متعلق ایک مختصر جلسہ ہوا اُس میں ہمارے مولانا بھی مدعو تھے۔ جب ان سے تائید چاہی گئی تو مولانا نے دس روپیہ ماہوار مشاہرہ دینا منظور کیا۔ اور کتابوں کے لئے دو سو روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بنگال جاکر مولانا نے مبلغ دو سو روپیہ اپنے ماموں مولوی محمد عثمان صاحب وکیل

کے نام بھیجدیا۔ پھر مولوی صاحب نے احقر کو لکھا کہ یہ روپیہ اپنے پاس امانت رکھو۔ احقر نے عذر کیا۔ بعد کو وہ روپیہ مولوی ابوبکر صاحب نبیرہ حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری کے حوالہ کیا چنانچہ وہ روپیہ ابتک ان کے پاس رہ گیا۔ کیونکہ اہل شہر ماہ بماہ چندہ وصول کر کے مدرسہ کو چلانے میں کچھ سست ہو گئے۔ ادہر مولانا ماجد علی صاحب کو بہار کے مدرسہ میں نوا روپیہ پر بلا لیا۔ بعد کو پھر مید ہو کے مدرسہ میں بدستور چلے گئے۔

خدا کی قدرت جس مدرس کو مدرسہ حنفیہ میں باوجود گنجائش ایک سو روپیہ دینا منظور نہیں کیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ کے سرکاری مدرسہ میں ابتداءً پانچ سو روپیہ پر مقرر ہو گئے اور اسوقت اور بھی معقول اضافہ ہو گیا ہے اور آئندہ بھی غالباً اضافہ ہوتا رہے۔ اس واقعہ سے بھی مولانا کی اسلامی ہمدردی اور علم کی قدر افزائی کا پتہ چلتا ہے اور باوجودیکہ پہلے سے جانتے تھے کہ نواب صاحب کے یہاں ان کی مصلحت کے خلاف کسی کی بات لگتی نہیں۔ پھر بھی اہل شہر کی درخواست کو رد نہ فرما کر نواب صاحب کے پاس چلے گئے اور ایسے طریقہ سے گفتگو کی

---

۱ جس وقت یہ مضمون قلمبند ہوا مولانا ماجد علی مرحوم مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس تھے

کہ مولانا ماجد علی صاحب کے کمالات معلوم ہو جائیں اور
نواب صاحب پر ناجائز دباؤ اور مجبوری بھی نہ ہو۔
واقعہ۔ ایک بار شہر ڈھاکہ میں قیام فرماتے تھے۔ وہاں ایک
مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور نام اس کا "مدرسہ حمادیہ" رکھا۔
مولانا کی حسن نیت اور اخلاص کے سبب آج تک وہ مدرسہ
چل رہا ہے۔ صدہا علماء وہاں سے تعلیم پاکر اطراف واکناف
میں منتشر ہوئے اور ہر سال کامیابی کے ساتھ مدرسہ سے
اچھی تعداد میں طلبہ فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔
واقعہ۔ ایک بار بھوانی گنج ضلع نواکھالی میں بتحریک مولوی
محمد حامد صاحب فراش گنجی و دیگر علماء وہاں کا آپ کا جانا ہوا۔
وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور نام اس کا کرامتیہ مدرسہ
رکھا۔ آج تک وہ مدرسہ چل رہا ہے۔ اور بہت سے طلبہ فارغ
ہوئے اور ہر سال فیضیاب ہوتے جاتے ہیں۔
اسی طرح مختلف اضلاع میں علمی فیض جاری رکھنے کو متعدد
مدرسوں اور تعلیم گاہوں کی بنیاد ڈالی۔
یہ سب کارگذاریاں مولانا کی اس وقت کی ہیں جب
تالیفات کے اوقات گذر جانے پر فرصت ہوتی اور لوگوں سے

ملتے جلتے تو علمی مذاق اور لوگوں کے افاضات و افادات میں بقیہ وقت کو تمام کرتے۔

فتووں پر دستخط کرنے میں احتیاط

آپ کی عادت سے یہ تھا کہ فتووں پر جلدی دستخط نہیں کرتے تھے اور نہ خود فتویٰ نویسی کو بلا اشد ضرورت اختیار فرماتے۔ بالخصوص طلاق کے فتووں کا بالکل اعتبار نہ کرتے اور صاف انکار کر کے واپس کر دیتے۔ بعد کو اس کے خلاف کا دوسرا فتویٰ موجود ہو جاتا جس سے تصدیق ہو جاتی کہ دو مختلف فتویٰ ایک واقعہ کے متعلق کذب و افترا سے خالی نہیں۔ بنگال میں اکثر اس قسم کا فتویٰ بھی نکال دینے کا دستور ہے کہ اگر کسی نے کسی مولوی مفتی کی کوئی بات کسی وجہ سے نہ مانی اور دنیاوی معاملات میں تنازع ہو کر کچھ بدزبانی کی تو خود ایک فتویٰ کفر کا نکال دیتے ہیں۔ کہ علم اور علماء کی بے ادبی اور استخفاف کفر ہے۔ لہٰذا فلاں شخص بوجہ بے ادبی عالم کے اسلام سے خارج ہو گیا اور زوجہ اسکی بائنہ ہو گئی۔ اس قسم کا فتویٰ دیکھتے ہی ناخوش ہو جاتے

اور فرماتے کہ اول تو مسئلہ یہ کہ دینی اور علمی بات کے رد کرنے کے لئے عالم کی توہین کی ہو تو کفر کا حکم دیا گیا ہے اور اگر کسی عالم نے دنیاوی معاملہ میں کسی غیر عالم سے تنازع کی اور اس معاملہ کے سبب اس نے عالم کی شکایت کی تو یہ عالم کی شکایت نہیں اور نہ استخفاف اور بے ادبی ہے۔ بلکہ اپنے دنیاوی معاملہ میں اس کی ناانصافی یا بددیانتی کی شکایت کرتا ہے۔

دوسرے اکثر وہ لوگ جن کے ایسے اخلاق اور اطوار ہیں کہ حقوق العباد اور حقوق جار کا لحاظ نہیں رکھتے اور نام کے مولوی اور منشی کہلاتے ہیں۔ حقیقت میں اُن کا شمار علماء اور فضلاء میں نہیں ہے۔ یہ ناحق کو اپنی نسبت عالم ہونے کا گمان اور اذعان رکھتے ہیں۔ ایسے کا استخفاف عام مومنین کے استخفاف کے مساوی ہوگا۔

اسی طرح مسجد ضرار کے فتووں پر دستخط نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بعض جگہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے۔ چنانچہ لکشام ضلع تپرہ میں ایک جدید مسجد کی نسبت لوگوں نے ضرار کا حکم لگایا تھا۔ مولانا علیہ الرحمہ نے عدم ضرار کا

فتویٰ لکھا اور اس پر علمار ہند کے دستخط بھی کرائے۔ اسی طرح پھر پھرا ہیں ایک مسجد کے عدم ضرار کا فتویٰ دیا اور وہاں جاکر وعظ بھی فرمایا۔ وہاں جو لوگ مسجد کے مخالف اور ضرار ہونے کے قائل تھے سب کو مولانا کے بیان سے اطمینان ہوگیا۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ گئے۔

مولانا کی یہ بھی عادت تھی کہ کسی مسئلہ میں ضد اور ہٹ اور اشتداد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب جانب مخالف خواہ مخواہ ضد اور اشتداد کا پہلو اختیار کرتا اور مولانا کو مخاطب بناتا تو پھر جوابدہی کے لئے مستعد ہو جاتے۔ اور اس بارہ میں جو کچھ جوابدہی کا مضمون اکٹھا کرتے سب کو بصورت رسالہ جمع فرماکر اس کا ایک نام تجویز کرکے فوراً چھپواکر شایع کر دیتے۔ بہت سی کتابوں اور رسالوں کی تالیف کی نوبت اسی طرح پہ ہوئی ہے۔[۱]

---

[۱] مثلاً رسالہ عدم ظل رسول۔ صرایف الاقلام اللطافۃ کافہ۔ الانہر تحبین الحلیہ۔ ایزان الوری۔ تفصیل البیان۔ فتاوے یمانیہ۔ فصل الخطاب۔ البراھین۔ وغیرہ ۱۲۔

اور یہ عادت ابتدائے تحصیل علم سے تھی۔ چنانچہ جب مولانا لکھنؤ میں جناب علامہ مولانا عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی درسگاہ میں تھے تو مولانا لکھنوی علیہ الرحمہ بوجہ دورہ صرع کے درس سے مجبور ہو گئے تھے۔ اکثر اوقات ناغہ ہو جاتا اور مولانا کو علم ادب سے شوق زائد تھا۔ وہاں علم ادب کا سبق مولانا کے خاطر خواہ پوری طور پر برابر نہیں ہوتا تھا۔ اسی زمانہ میں مولانا لطف الرحمن بردوانی بھی لکھنؤ میں گئے ہوئے تھے۔ مولانا سے کہنے لگے کہ یہاں آپ کا حرج ہو رہا ہے اور خصوصاً علم ادب کا معقول بندوبست نہیں لہذا میرے ساتھ کلکتہ چلیئے تو میں آپ کی پوری طور پر خدمت علمی کروں گا اور آپ بہت جلد فارغ ہو جائیں گے۔

ہر چند کہ بعض طلبہ اور مدرسین نے اس کے خلاف مشورہ دیا کہ آپ کا کلکتہ جانا مصلحت نہیں۔ کیونکہ اس وقت تک ملک بنگال کے فارغ شدہ طلبہ بھی ہندوستان میں تکمیل کے لئے آتے ہیں اور ہندوستانیوں کو اپنا استاد بنانا اپنے لئے باعث افتخار تصور کرتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ بنگالی کو اپنا استاد نہ بنائیں۔ لیکن مولانا کو علم کیساتھ دلی محبت تھی

اُن کو یہ خیال نہ تھا کہ کس کو اُستاد بنانا زمانہ کے رنگ کے موافق ہوگا اور کہاں ناموافق ہوگا۔ آخر کلکتہ تشریف لاکر حاجی نور محمد مرحوم کے یہاں مقیم ہوئے اور ارادہ ظاہر کیا کہ میں مولانا لطف الرحمٰن بردوانی کے مشورہ سے بغرض تحصیل علم یہاں آیا ہوں۔ حاجی صاحب مرحوم بڑے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھنے والے اور مولانا جمال الدین و حضرت صوفی نور محمد صاحب اکابر بزرگان کی صحبت میں حاضر ہونے والے اور مولانا حافظ احمد صاحب علیہ الرحمہ کے خاص خادم اور مخلص تھے۔ انھوں نے بھی اس امر کو پسند نہ فرمایا اور کہا کہ جس قدر وعدہ اور امید دلا کر آپ کو یہاں لائے ہیں اس کے ایفاء کی بظاہر امید نہیں معلوم ہوتی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ مولانا بردوانی مدرسہ کے کام میں مصروف ہو جانے اور مولانا کی طرف توجہ نہ کرتے اس زمانہ میں مختصر معانی شروع کرائی تھی۔ مقدمہ کتاب میں مولانا کے ساتھ تنازع ہوئی۔ لیکن مولانا بردوانی کی زبان سے جو نکل گیا اسی کی تاویل کرتے اور اس کے خلاف مولانا نے جو سمجھا تھا اور وہ حق بھی تھا اس کو قبول نہ کرتے حالانکہ

اکابر علماء کا دستور یہی دیکھا گیا ہے کہ اپنے شاگردوں کی جدت طبعی اور فہم کی تیزی اور ذہن کی رسائی پر خوش ہوتے اور داد دیتے ہیں۔

مولانا بردوانی کے استاد مولانا محمد ہدایت اللہ خان صاحب رحمتہ اللہ مرحوم مغفور صدر مدرس مدرسہ حنفیہ جونپور کو احقر نے دیکھا ہے کہ معقولات میں تو اس فن کے امام اور حافظ تھے لیکن دینیات میں نہایت احتیاط کرتے اور کتاب سامنے رکھ کر پڑھاتے اور اگر شبہ ہو جاتا تو غور کرتے اگر غور کرنے پر بھی اس وقت اطمینان نہ ہوتا تو دوسرے روز اطمینان کر کے تب آگے پڑھاتے

ایک مرتبہ مولانا اپنے نواسہ کو فارسی پڑھا رہے تھے۔ احقر حاضر تھا۔ فرمانے لگے مجھے فارسی پڑھانا مشکل معلوم ہوتا ہے دیکھو تو یہاں پر مطلب کس طرح پر ہوگا۔ احقر نے اپنے خیال بموجب عرض کیا تو نواسہ سے فرمایا کہ بس ان سے ہی پڑھ لیا کرو۔

ایک بار احقر کو شرح حکمۃ العین پڑھا رہے تھے نمعلوم اس وقت مولانا کو کیا شبہہ ہوا پھر غور کر کے تقریر کی

احقر نے سُن لی۔ مگر اکابر مدرسین کو یہ پتہ چلتا ہے کہ میری تقریر شاگرد کے ذہن نشین ہوئی یا نہیں۔ مولانا کو شاید اس بات کا پتہ چلا کہ اس نے خوب سمجھا نہیں۔

اس وقت تو کچھ نہ فرمایا دوسرے روز پوچھا تو احقر نے عرض کیا کہ حضور کے ادب سے احقر کچھ نہ بولا تھا۔ مضمون کل کے سبق کا کچھ رہ گیا۔ فرمانے لگے کہ کل جو میں نے تقریر کی خود مجھے بھی اطمینان نہ تھا وہ تقریر غلط تھی اُسوقت میرا ذہن اصلی مطلب کی طرف منتقل نہ ہوا تھا۔ تمہارے جانے کے بعد دوسرے وقت پھر غور کیا تو سمجھ آتا رہا اللہ اکبر کاملین ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیرالجزا

ایک مرتبہ مولانا حافظ عبدالرب صاحبؒ کو شرح وقایہ پڑھاتے وقت حیض کے مسئلہ میں مولانا کو لغزش ہوئی اور عبارت کے اختصار کے سبب دھوکا ہوا۔ پہلے رک کے پھر ایک تقریر کی۔ احقر نے عرض کیا کہ اس مقام میں عبارت اس طرح پر ہے فوراً اپنی تقریر سے رجوع فرما لیا۔ مولانا باوجودیکہ معقولات کے امام تھے۔ لیکن دینیات کے پڑھانے میں بہت ڈرتے اور احتیاط کرتے۔ اور فرماتے کہ تمہارے نانا

خلاف کرنے میں مجھے ڈر نہیں مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور فقہا
کے مقابلہ میں میری کیا ہستی ہے

ایک مرتبہ مولانا بدایونی نے رضاعت کے مسئلہ میں
دھوکا کھاکر ایک فتویٰ صحت نکاح کا دیدیا تھا جس پر بہت
شور وغل ہوا۔ اور معاملہ رئیس اعظم کے یہاں کا تھا۔ انہوں نے
مولانا بدایونی کو پکڑا کہ آپ کے فتویٰ کے مطابق یہ نکاح
ہوا ہے۔ مولانا نے کہا فتویٰ میرا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس کو
خوب بناکر اور بظاہر اچھی طرح مدلل کرکے لکھا اور ہندوستان
میں جاکر جہاں تک ممکن ہوا اس فتوے کی صحت پر دستخط کرائی
مولانا لطف اللہ علیہ الرحمہ مفتی حیدرآباد نے بھی دھوکا کھاکر
دستخط کردی تھی۔ آخر بعد کو خیال کرکے ایک اعلان شائع
کیا کہ فلاں مولوی کے فتوے پر دھوکے میں پڑکر میں نے دستخط
کردی ہے وہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ جب مولانا بدایونی ہندوستان
سے کلکتہ کو لوٹے تو جونپور میں آئے اور یہاں زیادہ امید
تھی کہ میرے استاد موجود ہیں اولا وہ تائید کریں گے پھر دیگر
علماء کی تائید بآسانی ممکن ہوگی ہر چند انھوں نے مولانا کو
سمجھایا اور کئی روز تک عرض معروض کرتے رہے لیکن مولانا

رام پوری علیہ الرحمہ نے صاف کہہ دیا کہ مولوی لطف الرحمٰن تمہاری خاطر مجھے بدل منظور ہے یہاں تک کہ اگر تم کوئی فلسفی مسئلہ غلط کہہ دیتے اور شیخ الرئیس اور حکماء یونان کے خلاف ہوتا تو میں تمہاری خاطر سے حکمائے یونان کا خلاف کر کے تمہارے قول کی تائید و تادیل کر دیتا لیکن میں بوڑھا ہوا اور خدا کے پاس جانے کا وقت بالکل قریب ہے تمہاری خاطر سے شرعی مسئلہ کو رد کر کے روسیاہی حاصل کرنا مجھے گوارا نہیں۔

الغرض مولانا لطف الرحمٰن صاحب بردوانی نے مولانا حافظ عبدالاول صاحبؒ کے صحیح شبہ کو استماع نہ کیا۔ اُس وقت مولانا نے اُس مضمون پر ایک رسالہ عربی میں لکھ کر تیار کیا اور جس کو جونپور میں آکر چھپوایا۔ جس کا نام "اللطافہ فی جواز اضافہ کافہ" رکھا۔ اور مولانا بردوانی کے پاس بھی بھیجا۔ جس پر انھوں نے سکوت کیا۔ مولانا کو اکثر کتابوں کی تالیف کے وقت اسی قسم کے اسباب پیش آئے ہیں۔ غالباً اگر ایسے اسباب پیش نہ آتے تو مولانا کی تالیفات کی تعداد اس درجہ کثیر نہ ہوتی۔ چنانچہ مولانا کی تصنیفات کی فہرست کے ضمن میں انشاء اللہ اس کا اشارہ کیا جائے گا۔

علماء کا احترام

مولانا اپنے زمانہ کے علماء کی قدر اور عزت کرتے تھے کسی کو کمتر اور حقیر نہیں جانتے تھے اور یہی خیال تھا کہ میرے ذریعہ سے جہاں تک ہو سکے فائدہ پہونچے۔

خراسان کے ایک مستعد عالم مولانا کے پاس آگئے تھے ان کے پاس دینیات کی کتابوں کا ذخیرہ نہ تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ گھبرایئے نہیں خدا بندوبست کر دے گا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مولانا شاید دس پانچ روپے دیں گے۔ آخیر میں کتابوں کے لئے ایک معتد بہ رقم نقد روپیوں کی اور بعض کتب مثل فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کے عطا فرمایا۔ وہ نہایت خوش خوش رخصت ہوئے۔

مولانا ایک بار سندیپ تشریف لے گئے تھے وہاں ایک عالم جو دیوبند کے محصل[۱] تھے مولانا سے ملے۔ مولانا نے اُن کا اعزاز فرمایا اور اُن کے علم کی ترقی اور لوگوں کی فیض یابی کی غرض سے ایک دینی مدرسہ وہاں قائم فرما کر اُن کو مدرس اول بنایا اور متعدد مواعظ میں اُن کی تعریف کی اور وہ مولانا سے بیعت بھی ہوئے۔ اُن کو خلافت دی اور ایک قصیدہ عربیہ میں ان کی

---

[۱] یعنی فارغ التحصیل دار العلوم دیوبند ۱۲

عزت افزائی کا مضمون بھی لکھا۔ اور پھر سندھ سے نکلنے پر جابجا
اُن کی عزت افزائی کا خیال فرمایا اور کہیں کہیں اپنے خاص جلسوں
میں اُن کو مدعو بھی فرمایا۔ جس سے اُن کو دور دور کے لوگوں نے
پہچان لیا اور پھر وہ مواعظ کے کام میں مشغول ہو کر درس سے
دست بردار ہو گئے

جلسہ دیوبند سے کچھ قبل مولانا شیخ الہند جون پور تشریف
لائے تھے۔ مولانا نے اُن کو دعوت دی اور مکان میں لائے
بعد طعام نوشی کے مولانا نے فرمایا کہ جناب کا نام بہت سنا تھا
اور بعض تلامذہ سے آپ کی ذاتی قابلیت اور علمی کمالات معلوم
کر کے زیارت کا بہت اشتیاق تھا۔ خاص کر آپ کے شاگرد جو
سندھ میں اس وقت مشہور ہیں ان سے بہت سے حالات
معلوم ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد بھی
ڈالی تاکہ اُن کے علم سے لوگوں کو فیض پہونچتا رہے۔ مولینا
شیخ الہند اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ اُن کے مدرسہ کے
ایک فارغ التحصیل کا فیض جاری رکھنے کا مولانا نے بندوبست
فرمایا۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اب وہ مواعظ کے کام میں مشغول
ہو کر عدیم الفرصت ہو گئے اور جابجا اس کام کے لئے جانے لگے تو

بہت افسوس کیا اور فرمایا کہ مواعظ کے کام کے تو بہت
سے لوگ تھے ان سے امید تھی کہ کچھ علم کی خدمت کر سکیں گے۔
الغرض مولانا کے ذریعہ سے سندھی عالم صاحب کی بہت شہرت
ہوئی۔ بعد کو ان کا رنگ کچھ بدل گیا۔ اور مولانا کو معلوم ہوا
کہ وہ کسی صوفی کے مرید بن گئے۔ مولانا نے اس پر سکوت فرمایا
اور کچھ نہ کہا۔

آخر پھر سوراج کے کسی معاملہ میں اس پیری مریدی میں
بھی بے لطفی ہو گئی۔

اسی طرح پنجاب کے ایک مستند عالم صاحب جب مولانا
کے پاس آئے تو ان کی تائید اور دستگیری فرمائی اور اُن کو
اجازت اور خلافت بخشی۔ جس کی وجہ سے تبرہ وغیرہ کے
اضلاع میں اُن کو بہت شہرت ہوئی۔ بعد کو بعض خریات
میں کہیں کہیں مولانا کے مسلک کے خلاف اور مفتاح الجنۃ کے
اُلٹے مسائل کہنے سننے سے لوگ بدظن ہو گئے۔ اور مولانا کو
جب معلوم ہوا تو متاثر ہوئے اور اس بات کو اچھا نہ جانا۔
خاص کر مولانا شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بدزبانی
کرنے سے اکثر بنگال کے تو اس کو رنج ہوا اور لوگ بگڑ گئے

کیونکہ "ذخیرہ کرامت" کے اندر مولانا کے ہادی بنگال نے جناب ممدوح شہید رحمتہ اللہ علیہ کے کمالات کا تذکرہ بقدر ضرورت کیا ہے جس سے مولانا شہید علیہ الرحمہ کی علوشان کا اندازہ ہوتا ہے تو جس کی تعریف مولانا کے ذخیرہ میں مرقوم ہو اس کی غیبت اور حسد کرنے والا لوگوں میں کیا عزت پا سکتا ہے۔ کیونکہ بنگال کے معتقدین مولانا کے قول کے مقابلہ میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کی جدت طبعی اور گستاخیوں کو کب سن سکتے ہیں۔

جاہلوں سے بچنے کی تاکید

مولانا کو جس درجہ علم اور علماء کی قدر تھی اسی طرح جہل اور نادانی اور جاہلوں سے نفرت تھی۔ اپنے لڑکوں کو ہمیشہ علم کی ترغیب دیتے اور جب کسی کو مشغول کتاب علم دیکھتے تو اسکی محبت اور قدر کرتے۔ جب آپ کے بچے چھوٹے تھے اس وقت بعض مواعظ میں لوگوں کو مخاطب کرتے کہتے کہ دیکھو جاہلوں کے قریب میں نہ آنا اور بغیر جانے بوجھے ہر کسی کے پاس نہ جانا ورنہ مکار، جاہل، غدار اور فریب باز لوگ تم لوگوں کے دین و ایمان کو برباد کر دیں گے۔ میں یہاں تک ترقی

کر کے کہتا ہوں کہ اگر میرا بیٹا بھی آئے تو دیکھنا کہ علم حاصل کر کے آیا ہے یا نہیں۔ اگر بے علم دیکھنا تو اس سے بھی دور رہنا۔ کیونکہ جتنی خرابی دین میں پھیلی ہے اور آئندہ قیامت تک پھیلے گی سب جاہلوں اور نام کے مولویوں اور بے عمل عالموں کے ذریعہ سے ہوگی۔ لہٰذا خوب ہوشیار رہنا۔

مولانا باوجودیکہ فراست سے پہچانتے تھے کہ یہ مولوی بظاہر ہمارا معتقد ہے اور در پردہ خود غرض اور مطلبی اور حاسد ہے پھر بھی اُس کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر سلوک کرتے تھے۔

مولانا نے جن لوگوں سے سلوک کیا اور فراست سے جانتے تھے کہ اس حسن سلوک کا اثر اُن لوگوں پر اُلٹا اور برعکس ہوگا۔ اور یہ لوگ

نکوئی بابداں کردن چنانست ٭ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

کے مصداق ہیں۔ اس کے بعد جب معلوم ہوتا کہ اُس شخص نے احسان فراموشی اور بداخلاقی اور نمک حرامی کا شیوہ اختیار کیا ہے تو آپ کو چنداں پروا نہ ہوتی۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی احسان فراموشی کو پہلے سے تصور فرما لیتے تھے۔ بعض مولویوں نے مولانا کے صدقہ اور طفیل اور ان کی سفارش سے ہزارہا

روپیوں کا نفع حاصل کیا پھر ہوس ہوئی کہ اُن کے ذریعہ کو قطع کرکے اپنا خاص اثر پیدا کر دوں تو کہیں کہدیا کہ مولانا نے مجھے مجبور کرکے میرے وطن سے بلوایا اور بنگال کے بہت سے مقامات کی ہدایت اور خدمت میرے سپرد کی کیونکہ اب اس خاندان میں کوئی اس خدمت کے لائق نہ رہا۔ اور کہیں موقع پاکر کہا کہ مولانا نے اکثر تالیفات میں مجھ سے مدد لی ہے۔ کہیں کہا کہ بہت سے علمی شبہات مجھ سے رفع کئے ہیں۔ مگر یہ سب باتیں کسی عالم سمجھدار کے سامنے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا کو ایسے دلخراش کلمات کی خبر پہونچتی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ ان باتوں سے ان مفتری کذابوں کو سوائے ذلت کے کسی قسم کی عزت اور سرفرازی میسر اور نصیب ہوئی۔

مولانا یوں تو بڑے متحمل تھے لیکن اہل بدعت اور بالخصوص غیر مقلدین کے مقابلہ میں یا بے شرع فقیروں اور بیدینوں کے رد میں زبان و قلم سے مستعد ہو جاتے اور کہتے کہ اگر مخالفین کو حوصلہ ہو تو زبان سے گفتگو کرلیں۔ قلم سے تحریر کا زور دکھائیں اور اگر اس سے زیادہ ہمت ہو تو جسمانی زور

وقوت کا مقابلہ کرائیں۔ کشتی لڑیں لاٹھی چلائیں۔

واقعی مولانا کو جسمانی قوت کے ساتھ کشتی اور لکڑی کے فن سے بھی مناسبت تھی۔ ایک مرتبہ ایک الماری مقفل جس میں کتابیں وغیرہ بھری تھیں۔ اس کے ہٹانے کی ضرورت تھی رکنجی نہ ملتی تھی کہ کتابوں کو نکال کر بوجھ ہلکا کیا جائے۔ مولانا آگئے کسی طرح جب قفل نہ کھل سکا تو مولانا نے الماری کو اپنے قوت بازو سے ہٹا دیا۔ جس سے مولانا کی جسمانی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہٹانے وقت زیادہ زور کرنے کے سبب چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

فرماتے تھے کہ ایک بار ایک موضع میں مجھے وہاں کے لوگ دعوت کو لے گئے اور بعض سود خوار وہاں بہت مشاہیر اور زبردست لوگوں میں تھے۔ لوگوں نے اُن کو مجلس میں حاضر کیا۔ بعد وعظ کے میں نے اُن کو سمجھایا تو بعض نے توبہ کی اور بعض نے حیلہ و حوالہ کرنا شروع کیا۔ آخر میں نے اُن حیلہ بازوں کو مجلس سے کان پکڑوا کر نکلوا دیا۔ وہ سب چلے گئے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سب بدمعاش اور گاؤں کے رئیسوں اور بااثر لوگوں میں سے ہیں۔ جب میں فراغت ہو کر چلا تو کچھ

لوگ میرے ساتھ تھے۔ راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا۔ پالکی لیکر کہار لوگ تیز چلے ساتھی لوگ پیچھے ہو گئے اتفاق سے اسی گاؤں سے پالکی چلی جہاں ان سود خواروں کا مکان تھا وہ سب ایک جماعت لے کر راستہ میں کھڑے تھے۔ کہاروں نے قرینہ سے ان لوگوں کا عزم معلوم کر کے مجھے خبر دی۔ میں نے پالکی رکھوا دی اور نکل کر ہاتھ میں لاٹھی لے کر چلا تو ان میں سے بعض کو کہتے ہوئے سنا کہ پالکی سے باہر ہو کر لاٹھی لے کر آرہے ہیں اور جب اور قریب ہوا تو مجھے بھی دل میں تردد ہوا۔ پھر دیکھا کہ یکایک متفرق ہونے لگے تب میں نے اور قریب ہو کر للکارا اور کہا کہ خبردار کہاں جاتے ہو میں ایک ایک کو انشاء اللہ مار کر گرا دوں گا۔ خدا کی شان سب کے سب ہیبت سے مفرور ہو گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ کدھر کو گئے۔ اور میں کچھ دور آکر پالکی پر سوار ہوا۔

یہ واقعہ وفات سے کئی برس پہلے کا ہے۔ فرماتے تھے کہ اب طبیعت میں نرمی آگئی۔ اشتداد کا پہلو ترک کر دیا۔

واقعہ۔ فرماتے تھے کہ جب مکہ معظمہ سے ہندوستان کو آنے لگا جب ہی ملک بنگال کے بعض بعض حاجیوں نے دعوت دی تھی۔ پھر جب بنگال کا سفر شروع کیا تو ڈھاکہ گیا تھا۔ تاکہ بوٹ کرایہ کر کے مختلف مقامات پر جاؤں۔

شہر کے بعض دوستوں نے وعظ کا جلسہ کیا پھر تو شہر اور اطراف میں مواعظ کا سلسلہ جاری ہو گیا بوٹ پر سوار ہونے کے قبل تقریباً چودہ سو دیہوں کی آمدنی ہوئی پھر بوٹ پر سوار ہو کر نکلا تو دعوتیں ہوتی رہیں۔ آخر ضلع ڈھاکہ ہی میں وہ سفر تمام ہوا اور مکان پر لوٹ کر آیا۔ پھر بقیہ دعوتیں جو ملتوی کر کے مکان پر چلا آیا تھا دوبارہ جا کر ان کو انجام دیتے پھر دوسرا سفر بھی اسی ضلع میں تمام ہوا۔ تیسرے سفر میں میمن سنگھ و فرید پور ضلع کا کچھ حصہ سیر کیا۔ اکثر مقامات میں نواکھالی کے ضلع کے نشیبوں سے ملاقات ہوتی تھی تو برابر وہ لوگ کہتے کہ ہمارے ملک میں چلیے۔ مگر بعض امور کے لحاظ سے ادھر کا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ آخر چاندپور میں ایک بار جانا ہوا تو وہاں سے رفتہ رفتہ لکشام تک پہونچ کر پھر مکان پہ چلا آیا۔

پھر حسب وعدہ بقیہ مقامات کی قبول کردہ دعوتوں کو پورا کرنے کو دوبارہ اسی اطراف میں گیا۔ اسی سلسلہ میں رائپور کے لوگوں نے بھی دعوت دی اور کہا کہ وہاں جانے سے بڑے میاں صاحب برابر ساتھ رہیں گے اور انشاء اللہ بہت قدر کے ساتھ دعوت ہوگی۔ خیر جب میں رائے پور گیا تو لوگ آتے ہیں مگر دعوتیں ابتک شروع نہیں ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ بڑے میاں صاحب نے کہدیا ہے کہ جب میں دعوت کرلوں گا پہلے اپنے یہاں لاؤں گا تب تم لوگ بھی دعوت کرسکو گے میرے پہلے تم لوگ دعوت نہ کرسکو گے۔ پھر بعض خاص راز دار لوگوں نے کہا کہ اس کے اندر بھید ہے۔ آپ بڑے میاں صاحب سے ملئے یا خط دیکر بلا لیجئے اور ملاقات کیجئے۔ جب وہ لوگوں کو کہیں گے تو دعوت شروع ہوگی۔ مولانا چونکہ جوش کے آدمی تھے یہ بات آپکو ناگوار ہوئی۔ اور کہا کہ یہ کیا برعکس معاملہ ہے وہ اس خاندان کے مرید اور غلام ہوکر پیر اور مولے بننے اور مخدوم ہونے کے متمنی ہیں عبدالاذل سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایسے خیال والوں سے ملے یا اُن کا متمنی اور منتظر رہے۔ اسی اثنا میں کچھ لوگ دعوت

دینے آئے مولانا نے دعوت قبول کی۔ وہ لوگ جان شریف کی گروہ کے تھے۔

مولانا کا خیال تھا کہ جب مخالف کا مرید ہو کر نصیحت کا طالب ہو کر آیا ہے تو پند و تذکیر سے کیوں کر محروم کیا جائے ممکن ہے کہ خدا ہدایت فرمائے۔

فرماتے تھے کہ اس دعوت کی خبر سنکر لوگوں کے ذریعہ سے ممانعت کہلائی۔ آخر خود ہی آئے۔ اس وقت وعظ ہو رہا تھا۔ چاہا کہ مصافحہ کریں میں نے روک دیا کہ اسی جگہ بیٹھ جاؤ۔ پھر جو کچھ کہنا تھا میں نے اچھی طرح کہہ سنایا۔ بہت معذرت کرنے لگے۔ میں نے کہا آپ کو مناسب تھا کہ خبر سنتے ہی آجاتے۔ اب ہر روز حاضر ہوتے رہنا۔ اس روز سے عصر کے وقت اکثر آتے اور مغرب تک رہتے۔

فرماتے تھے کہ جب میری ہمشیرہ بیوہ ہوئی مولانا مصلح الدین مرحوم کے ساتھ رائے بریلی میں آئیں تو ان کو بھی یہاں کی بیوفائی سے تکلیف پہونچی اور مولانا مصلح الدین صاحب مرحوم آدمی زیرک تھے حسن تدبیر سے تمام جیالاکیوں کا جواب دندان شکن دیتے۔ اُس وقت بڑے میاں کے والد زندہ تھے۔

آخر کو آ کر ملے اور کہنے لگے کہ آپ تو بہنوئی ہوتے ہیں اس واسطے آپ سے ٹھٹھا کیا تھا۔ مولانا نے کہا کہ ہمارے یہاں بھی بہنوئی لوگ سالوں کو ایسا ہی جواب دیا کرتے ہیں غرض کوئی چال بازی چل نہ سکی۔

واقعہ۔ ایک بار مولانا مغفور رائے بریلی میں تھے وہاں مولانا کے دربار عام میں ہر کوئی آتا جاتا تھا مولوی عبد اللہ مرحوم بھی آتے جاتے تو یہ بات بڑے مولوی صاحب کو ناگوار ہوتی مگر مولانا کے اخلاق سے یہ بعید تھا کہ کسی کو اپنے یہاں آنے سے روک دیتے۔ آخر مولوی عبد اللہ مرحوم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی ہر چند مولانا کو معلوم تھا کہ بڑے مولوی صاحب غالباً گوارا نہ کریں گے لیکن جس طرح مولانا کو بڑے مولوی صاحب کا ناراض کرنا پسند نہ تھا اسی طرح مولوی عبد اللہ صاحب کا ناراض کرنا گوارا نہ تھا آخر دعوت سے انکار نہ کر سکے۔ کیونکہ شریعت اور اخلاق دونوں سے گنجائش انکار کی نہ تھی۔

مولوی صاحب دعوت کے سامان میں چلے گئے اور عین وقت پہ جبکہ کھانا وغیرہ وہاں تیار ہو چکا تھا اور مولانا بھی پالکی پہ سوار ہونے کو تھے کہ بڑے مولوی صاحب نے کہا کہ میں ہرگز

جانے نہ دوں گا۔ اور مولانا کو تھام کر بیٹھ گئے۔ مولانا کی وسعت اخلاق اور کریم النفسی اور علم سے یہ بات بہت دور تھی کہ بڑے مولوی صاحب کے مقابلہ میں زبردستی کرنے اور اپنے ایفائے عہد کو ترجیح دیتے۔ آخر مولانا رک گئے اور کہلا دیا کہ مجھے معاف کریں میں وعدہ ایفا نہ کر سکا۔ پھر مولوی صاحب نے جو کچھ طعام تیار کیا تھا بوٹ میں حاضر کر دیا۔

اور کہنے لگے کہ جب حضور نے دعوت قبول فرمائی اور ایفائے عہد کا عزم بھی کیا تو عند اللہ ایفا ہو چکا۔ مجھے کسی قسم کا رنج نہیں اور نہ شکایت ہے۔

واقعہ - مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاق اس درجہ تھا۔ کہ ایک بار ہری ناتھ پور گوائریا وغیرہ میں تشریف لے گئے تھے تو نیا میاں نے سیدر گاؤں سے معزز لوگوں کے ذریعہ سے دعوت بھیجی۔ مولانا نے اپنے ہوا خواہوں اور معتمدوں سے مشورہ کیا بعض لوگ مانع تھے کہ حضور کے والد ماجد اور دودا میاں سے سخت دشمنی تھی اور خود نیا میاں بھی حضور سے خصومت رکھتا ہے ابتدا میں مقابلہ بھی کیا لہذا جانا مصلحت نہیں۔ لیکن مولانا نے جب اصحاب الرائے

لوگوں سے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ حضور کی جو مرضی ہے وہی بہتر باقی یہ سب اندیشہ کہ نیامیاں کے باپ سے خصومت تھی وہ کچھ برائی کریں گے یہ بالکل خیال خام ہے نیامیاں عالم ہونے کے علاوہ خاندانی رئیس اور دیندار ہیں جب حضور کو دعوت دیا ہے تو خدا کے فضل سے کوئی خطرہ نہیں اور ہم لوگ حضور کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔

القصہ مولانا علیہ الرحمہ نے دعوت قبول کی اور جمعہ کے دن وہاں سے تشریف لے گئے تھے بہت سے آدمیوں کا مجمع تھا جمعہ کی نماز پڑھی سات سو آدمیوں کا کھانا نیامیاں نے تیار کرایا تھا۔ نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آئے اور کہا کہ میری والدہ بیعت ہونے کی مشتاق ہیں اور کہا کہ بندہ بھی آپ کا دل سے معتقد ہے اور جو ایک خاص مسئلہ میں تنازع چلا آرہا ہے انشاء اللہ اس کو رفع کرنے کی بہت جلد تدبیر کروں گا۔ پھر مولانا نے نیامیاں کی والدہ کو بیعت کرائی۔ دیکھو اگر مولانا لوگوں کے مشورہ پر کاربند ہو کر دعوت رد کر دیتے تو ایک شرعی جرم۔ دوسرے بداخلاقی تیسرے ہدایت کے خلاف تھا دعوت لینے میں صدہا آدمیوں نے

جمعہ کی نماز پڑھی۔ بنا میاں کی ماں نے بیعت کی۔ اُن کی مدت کی تمنا پوری ہوئی۔ غرض سخت گیری اور بداخلاقی بُری چیز ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ برا ہے کہ اپنی بداخلاقی اور سخت گیری کا پابند دوسرے کو بنا دے اور جس سے خود مخالفت رکھتا ہو دوسرے کو بھی اس سے مخالفت کرنے پر مجبور کرے۔ بالخصوص خادم ہو کر مخدوم کو اور تابع ہو کر متبوع کو اور مرید ہو کر پیر کو اپنی مرضی پر بدون مصلحت شرعیہ کے چلانا چاہے یہ نہایت درجہ نفس پرستی اور خود غرضی ہے۔

واقعہ۔ مولانا کی طبیعت میں عجیب مذاق تھا الزامی جوابات پر بہت محظوظ ہوتے اور نہایت پسند کرتے کیونکہ الزامی جوابات میں مخالف کو سخت حیرانی اور پریشانی ہوتی ہے اور ثبوت وغیرہ کا بار اس کے ذمہ ہو جاتا ہے۔ یہ احقر ایک زمانہ میں مطبع اعظم المطابع جونپور میں کچھ کام کیا کرتا تھا اور پڑھنے کا بھی سلسلہ تھا۔ کلکتہ سے ایک پریس ولایتی آہنی جونپور کے ریلوے اسٹیشن پر آیا تھا۔ مطبع سے آدمی گیا تو چنگی والوں نے روک دیا کہ اسکی چنگی اور محصول داخلہ شہر کا ادا کر کے لیجانا ہوگا۔ پھر آدمی گیا کہ کسقدر دینا ہوگا معلوم ہو تو داخل کر دیا جائے وہاں کے منشی نے کہا کہ

سکریٹری میونسپل سے دریافت کرکے بتا سکتا ہوں۔ آخر مہتمم
مطبع کی طرف سے رقعہ گیا کہ ہمارا حرج ہو رہا ہے پریس کو چھوڑ دو
اور جو محصول ہوگا دیا جائے گا۔ یہ رقعہ پاکر پریس دے دیا۔
کچھ دنوں بعد وہ رقعہ وہاں کی میونسپل کمیٹی میں پیش ہوا تمام
ممبروں نے مکرر غالباً آٹھ روپیہ چنگی تجویز کی۔ پھر چنگی کے افسر کا
رقعہ محصول کی طلبی میں آیا۔ مہتمم نے چاہا تھا کہ آٹھ روپے دے
دیئے جائیں۔ مگر احقر نے اس کے جواب میں یہ لکھ دیا کہ محصول
ادا کرنے میں تو کوئی عذر نہیں ہے لیکن میونسپل کے بائلاز میں جتنی
اشیاء محصولی ہیں سب کے نام لکھے ہیں۔ پریس کا نام درج نہیں
اور نہ کہیں اس کا محصول بتایا ہے اس لئے محصول دینے میں عذر
ہے۔ پھر یہ رقعہ میرا وہاں پیش ہوا تو تمام ممبروں نے قواعد
میونسپل میں پریس کا نام نہ پایا تو بڑے بڑے ممبران ہندو و
مسلمان وکلا و مختاران نے مکرر یہ لکھا کہ وہ پریس لوہا ہے یا پتھر ہے
یا لکڑی ہے یا چادر یا پیچ یا لوہے کے ظروف سے ہے۔ بندہ
نے اس وقت جواب میں یہ لکھ دیا کہ یہ نہ چادر ہے نہ پیچ ہے
نہ ظروف آہنی میں سے ہے بلکہ یہ آلہ آہنی ہے۔ اور ظروف
و آلہ کا فرق عقلاء خود ہی جانتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پھر محصول نہیں

لیا گیا۔ مولانا مرحوم اس قصہ کو ہمیشہ دہرایا کرتے اور پوچھتے کہ یہ نیس پچادرے ہے یا سیخ ہے یا ظروف آہنی سے ہے اور ہنستے۔

واقعہ۔ ایک بار میرے چچازاد بہنوئی جناب شاہ عبدالحی صاحب مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اور ابوالبشر کبھی ہمارے گاؤں موضع سہانی ضلع غازی پور میں نہیں گئے۔ میری والدہ کی وفات ہو گئی اُن کے فاتحہ کا کھانا ہوگا اس میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ مولانا نے وعدہ کیا کہ اچھا اگر ابوالبشر چلیں تو میں بھی جاؤں گا۔ آخر مولانا ایک روز کے لیے جون پور سے چلے یہ احقر بھی سہانی کے قصد سے ساتھ ہوا۔ جب اللہ داد نگر کے ریلوے اسٹیشن پر جب گاڑی پہونچی تو مولانا اترے اور پہلے سے وہاں سواری وغیرہ کا کل انتظام موجود رہنے کا معاملہ طے تھا۔ لیکن بعد انتظار کے ہر طرف دیکھنے اور تلاش کرنے اور پکارنے پر بھی کسی کا پتہ نہ چلا۔ گاڑی بھی کھل گئی۔ مولانا ایک لنگی بچھا کر بیٹھ گئے۔ فرمایا کہ اب جو گاڑی جون پور جانے والی آئے اس پر ہم لوگ لوٹ جائیں۔ مولانا کی عادت تھی کہ کہیں ایک روز کیواسطے بھی جاتے تو قلم دوات پنسل کاغذ ساتھ میں رکھ لیتے فرمایا کہ ہم لوگ جو لوٹ جائیں گے شاہ صاحب کو کیا معلوم ہوگا

کہ وہ لوگ آئے تھے میں نے کہا کہ اگر کارڈ ہوتا تو لکھکر ڈاک میں ڈالدیا جاتا۔ مولانا نے بیگ کھول کر کارڈ نکالا اور کہا کہ کارڈ لفافہ کاغذ پنسل وغیرہ ضروری سامان سب موجود ہے۔ احقر کو بہت تعجب ہوا۔ ہنوز کارڈ لکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ شاہ صاحب کے فرزند اکبر جو سواری کے لیے متعین کئے گئے وہ آکر پکارنے لگے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اسٹیشن میں کہیں سو رہے تھے۔

غرض مولانا نے بہت تکلیف اٹھا کر شاہ صاحب کی دعوت کو انجام دیا اور اُن کی خواہش سے وہاں وعظ بھی فرمایا۔ عصر کے بعد ہم لوگ اُسی روز لوٹے اور شب کو مکان پہونچ گئے۔ شاہ عبدالحق صاحب کہتے تھے کہ میاں ابوالبشر تمہاری محبت کے سبب ہمارے گاؤں میں اس قدر مشقت برداشت کر کے گئے اور وعظ بھی فرمایا ورنہ ہرگز اتنی مشقت گوارا نہ کرتے واقعی مولانا کو اپنے اوقات عزیزہ کی ایسی قدر تھی کہ اس کو بیکار ضایع کرنا گوارا نہ فرماتے۔ اور اس سفر میں آنے جانے کا خرچ بھی مولانا نے اپنے پاس ہی سے دیا۔ شاہ صاحب مولانا کی اس عنایت فرمائی کو بہت یاد کرتے تھے۔

واقعہ۔ مولانا بڑے پابند اوقات تھے اور سلسلہ تالیفات و تجربات کا شب و روز جاری رہتا۔ اس کے علاوہ روزنامچہ لکھا کرتے کس روز کہاں تھے۔ کیا کام کیا اور آمد و خرچ سب کچھ لکھتے۔

ایک بار حافظ محمد صدیق صاحب صدر مدرس مدرسہ قرآنیہ جامع الشرق جون پور کے مقابلہ میں ایک مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس کے قبل حافظ صاحب ممدوح بنگال میں مولانا کے پاس بھی گئے تھے۔ جب مقدمہ چل رہا تھا تو مولانا سفر سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ حافظ صاحب نے مولانا کو اپنی صفائی میں شاہد انا۔

مولانا نے حاکم سے کہا کہ جس زمانہ کے متعلق مقدمہ چلایا گیا ہے اسوقت حافظ صاحب جون پور میں نہ تھے۔ بلکہ بنگال میں تھے۔ چنانچہ فلاں تاریخ کو میرے یہاں ملک بنگال میں مہمان تھے۔ حاکم نے پوچھا کہ آپ کو کیسے خیال ہے کہ اسی تاریخ پر آپ کے یہاں گئے تھے۔ تب مولانا نے اپنے روزنامچہ کا حوالہ دیا جس میں حافظ صاحب کا جانا اور وہاں کا قیام اور پھر رخصتی سب کچھ تاریخ وار قلمبند تھا۔ مولانا کے

اس روزنامچہ کی بنا پر حافظ صاحب کو مقدمہ میں کامیابی ہوئی۔

واقعہ۔ ایکبار بندہ گمرلہ میں تھا اور مولانا ڈہاکہ میں تھے۔ اس وقت مولانا کے دونوں بیٹے بڑے اور مجھلے کانپور مدرسہ جامع العلوم میں تھے اور گمرلہ کے مولوی حافظ صغیر محمد صاحب امام مسجد "شجاع بادشاہ" کے بڑے بیٹے حافظ رفیق محمد صاحب بھی اسی مدرسہ میں تھے۔ میری موجودگی میں کانپور سے وہ گمرلہ آگئے تو میں نے خط میں یہ ذکر لکھدیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے جو خط لکھا وہ اس وقت تک موجود ہے یہ واقعہ ابتدائے رجب کا ہے۔ اس وقت مدرسہ میں تعطیل نہیں ہوئی تھی۔ لکھتے ہیں کہ

> رفیق محمد کے بالخیر پہونچ جانے سے بڑی مسرت ہوئی خدا کرے کہ ہمارے لڑکے بھی بالخیر بعد تعطیل کے آدیں۔ اور خدا کرے قبل تعطیل مثل بگو منبعین الادنیا کے بڑی پگڑی اور لمبا شملہ باندھ کر نہ آئیں جیساکہ مرادآباد اور ریاست رام پور کے بعض فارغ التحصیل لوگ۔ الخ
> (ریاست رامپور ۱۲)

مولانا نے لفظ ریاست کو امالہ کے ساتھ اس واسطے لکھا

کہ ملک بنگال میں اکثر رام پور کے پڑھے ہوئے لوگ اسی
وضع و قطع سے ابتداءً آتے ہیں اور چند روز اسی وضع میں
دیکھے جاتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے کہ کہاں پڑھا ہے
تو خواہ مخواہ زبان کو دبا کر لہجہ کو بدل کر کہتے ہیں "رے سمت رام پور"
مولانا مغفور نے اس تحریر میں وہی اشارہ کیا ہے۔
اکثر ایسے لوگوں سے مولانا کچھ سوال بھی کر بیٹھتے تھے جنکو
سمجھتے تھے کہ اپنی علمیت کا بیجا دعویٰ ان کے دماغ میں ہے
چنانچہ ایک مولوی صاحب جو حدیث کا دورہ ختم کر کے
آئے تھے پوچھا کہ دورہ میں کون کون کتابیں ہوئیں کہا
کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی۔
فرمایا کہ ان کتابوں کے اصلی نام کیا ہیں۔ کہا کہ نام تو
یہی ہیں جو میں نے عرض کیا۔ فرمایا کہ میاں امام بخاری و مسلم و
ترمذی و ابوداؤد و نسائی رحمۃ اللہ علیہم تو ان کتابوں کے
جامع ہیں۔ کتابوں کے نام تو اور کچھ ہوں گے۔ کہنے
لگے کہ وہاں تو سب لوگ یہی کہتے ہیں اور استادوں
نے بھی کوئی نام نہیں بتایا پھر آپ ہی بتا دیجئے۔ فرمایا
کہ میں تو مٹھائی لے کر بتایا کرتا ہوں تاکہ یاد رہے

کہ خرچ کر کے سیکھا ہے ورنہ مفت سیکھنے کی قدر نہ ہوگی
الغرض مولانا عجیب با مذاق اور لیاقت شناس شخص تھے
اور متکبرین کو بالکل دیکھ نہ سکتے تھے۔ اپنے بچوں کے لئے
ہمیشہ علمی کوشش کی۔ نصیحت اور تدبیر کا بھی بہت خیال
رکھتے چنانچہ اسی خط میں اخیر میں لکھتے ہیں

"خدا سے ضرور دعا کرو کہ دونوں فارغ التحصیل
ہو جائیں اور کوئی مانع پیش نہ آئے۔ لکل شیٔ
آفۃ وللعلم آفات"

پھر لکھتے ہیں

"بہت دیکھا ہے کہ مکتب میں قرآن حفظ کرنے کو
بہت سے لڑکے بٹھا دیئے جاتے ہیں لیکن سب
کیوں نہیں حافظ یا عالم ہوتے۔ واللہ اعلم کیا
بھید ہے۔ اور لوگوں میں علم کی کیا عزت اور
خواہش ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کیوں لوگ
محروم رہ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قسمت
اور تقدیر کا بھی کچھ زور چلتا ہے الخ۔"

اس میں اشارہ دونوں قسم کے محروم سے ہے ایک وہ کہ

ماں باپ نے مکتب و مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ خرچ برداری بھی کی مگر لڑکا متوجہ ہی نہیں ہوتا اور آخر کو ہر جگہ سے بھاگ نکلتا ہے دوسرا وہ کہ باوجود کوشش اور فارغ التحصیل ہو جانے کے بھی فیض علوم سے بالکل محروم رہتا ہے گویا علم سے بالکل مناسبت اور مس ابھی نہیں۔

مولانا کو بعض اوضاع و حرکات کا تجربہ بھی تھا کہ جنھیں ایسی وضعیں اور حرکتیں دیکھتے تو کہہ دیتے کہ یہ ہزار محنت کرے کچھ ہونے کا نہیں چنانچہ اسی خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حرکت شتری کر کے ہلکر پڑھنے والے کو حافظ ہوتے نہیں دیکھا الخ

بعض بعض لوگ حفظ قرآن کرتے وقت اونٹ کی طرح ایک بار اونچے اور ایک بار نیچے ہو کر ہلتے ہیں آخر کو دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے تو پھر گھنٹوں آرام لینے کے واسطے پڑے رہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

عبدالسلام کو آج کل خود یاد کراتا ہوں روزانہ آموختہ۔ دس پارہ کا ناظرہ پڑھتے ہیں اور گردان الگ کبھی ایک، کبھی نصف حافظ . . . نے نقل میں

ایک ختم خام سنا اور زبان خراب کر کے چلدیئے۔ اب مصیبت ہم پر رہی۔ امید کرتا ہوں کہ امسال بیس روز میں ایک ختم عمدہ سنادیں دعا کرو۔"

حافظ عبدالسلام مولانا کے سجھلے صاحبزادہ ہیں ان کا قرآن جب یاد ہوگیا تو رواں پڑھتے تھے۔ مولانا نے ان کو کہا کہ خوب اطمینان اور تجوید کے ساتھ پڑھو۔ چنانچہ دو بارہ بہت محنت کر کے مولانا کی مرضی کے موافق پڑھنے لگے۔ غالباً اس طرح ٹھہر کر ہندو بنگال میں کوئی حافظ نہ پڑھ سکے گا۔ اسکی وجہ حافظوں اور مدرسوں کو معلوم ہے۔

واقعہ۔ حافظ عبدالسلام کو بچپن میں جبکہ دودھ پیتے تھے عارضہ ام الصبیان و صرع کا ہوگیا تھا۔ علاج بھی بہت ہو رہا تھا۔ ایک بار دورہ کی حالت دیکھکر مولانا کو بحد پریشانی ہوئی اور اندر سے باہر نکل آئے۔ اتفاق سے احقر باہر موجود تھا کہا کہ اندر چلو اور اپنے ملازم سے فرمایا کہ میاں ابوالحسین کو جلدی بلاؤ۔ غرض وہ بھی آگئے تو فرمانے لگے میاں ہمارا حواس درست نہیں اس بچے کو دم کرو ہمارا اعتقاد دعا پر ہے چونکہ بچوں میں مولانا ابوالحسین کی دینداری کو تمام اہل محلہ

اور مولانا خود بھی استحسان کی نظر سے دیکھتے تھے اسواسطے اُن کو دم کرنے کو بلایا اور حکم دے کر دم کرایا۔ ہر چند وہ عذر کرتے تھے کہ میری دم سے کیا ہونے والا ہے۔ مگر مولانا کے حکم سے دم کرنا ہی پڑا۔ پھر خدا نے اس خطرناک مرض سے شفا دی اور بفضل الٰہی آج تک پھر مرض عود نہ کیا۔

واقعہ۔ مولانا کو کچھ جسمانی شکایت تھی اکثر علاج اپنا اور اپنے گھر والوں کا لکھنؤ کے نامی طبیب سے جو بذریعہ وکالت جون پور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے کیا کرتے تھے اور مولانا کے چچا زاد بھائی بھی لکھنؤ سے مطب کرکے آچکے تھے کبھی کبھی اپنے بچوں کا علاج اُن سے بھی کراتے۔ ایکبار مولانا نے اپنی جسمانی شکایتوں کو اُن سے ذکر کیا اُنھوں نے کہا کہیے تو نسخہ لکھ دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے بندہ کو حکم دیا کہ میاں میں ادویہ بولتا جاؤں تم لکھتے جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں لکھتا گیا جب نسخہ لکھ گیا حکیم صاحب نے کہا کہ قابل انعام نہایت لاجواب نسخہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر لکھنؤ کے طبیب صاحب اس کو دیکھ کر پسند کریں تو ضرور انعام ملے گا۔ پھر مولانا نے اپنی جسمانی شکایات اور یہ نسخہ

حکیم صاحب کے پاس بھیجدیا انھوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے
جملہ شکایات اور نسخہ کو بغور دیکھا یہ نسخہ نہایت مناسب ہے۔
تب مولانا نے فرمایا کہ اگر جونپور میں انعام نقداً نقدی چاہتے
ہو تو دس روپے ملیں گے اور اگر صبر کرو تو بنگال جاکر وہاں سے
پچیس روپے بھیجدوں گا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اچھا بنگال
ہی سے پچیس روپے بھیجدیجئے گا۔

کچھ دنوں بعد مولانا بنگال جانے لگے تو اہلیہ وغیرہ کو بھی ساتھ
لیجانا تھا۔ اس واسطے ایک خاص گاڑی لکھنؤ سے منگوا کر کلکتہ
تک کے لئے ریزرو کرنے کی ضرورت تھی۔ لوگوں نے کہا کہ
دور دز قبل اسٹیشن ماسٹر کے پاس درخواست دینے سے گاڑی
کا بندوبست ہوجائے گا۔ غرض مولانا ریلوے اسٹیشن پر جانے
لگے تو احتیاطاً پچیس روپے ساتھ میں رکھ لئے کہ شاید روپیوں
کی ضرورت پڑجائے۔ رومال میں روپے لئے نکلے اور ادہر
گھوڑا گاڑی تیار تھی مولانا بات چیت کرنے لگے۔ رومال
رکھدیا تھا۔ حکیم صاحب نے اٹھا لیا۔ دیکھا تو اس میں پچیس روپے
ہیں کہنے لگے کہ اب یہ روپے میں نہیں دینے کا۔ مولانا نے ہر
چند کہا کہ ابھی ضرورت ہے۔ کہا کہ مجھے بھی تو ضرورت ہے

آخر پچیس روپے نسخہ کا انعام تو باقی ہے۔ مولانا نے کہا کہ وہ انعام تو بنگال سے بھیجنے کا وعدہ ہے اور یہاں لینے سے تو دس ہی ملیں گے۔ مگر حکیم صاحب نے روپے نہیں دیئے۔ آخر اندر جا کر دوسرے روپے لائے اور حکیم صاحب سے زبردستی نہ کی۔

اس سے مولانا کے اخلاق اور ایفائے عہد اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حسن معاملات کا پتہ چلتا ہے۔ ہر چند کہ مولانا کے وعدہ مطابق اس وقت صرف دس روپے مل سکتے تھے۔ پچیس کا وعدہ تو بنگال جانے پر فرمایا تھا۔ جب حکیم صاحب نے جونپور ہی میں لے لیا اور ایسے وقت میں کہ گھر سے نکل کر اپنی خاص ضرورت کیواسطے ریلوے اسٹیشن جارہے تھے۔ تردد اور تشویش کی حالت میں لوگ مذاق میں بھی چڑھ جاتے ہیں۔ مگر مولانا نے سکوت فرمایا۔ اور یہی خیال کیا کہ آخر بنگال سے تو یہی پچیس روپے بھیجنے ہی دینا تو آج ہی یہ بکھیڑا طے ہو جائے۔ انکا یہی کام چلے۔

واقعہ۔ ایک بار مولانا نے ایک کتاب لکھی تھی اس پر مولانا حکیم قیام الدین صاحب نے تاریخ لکھی۔ مولانا نے پسند کیا

حکیم صاحب نے فرمایا کہ پھر انعام ملنا چاہئے۔ مولانا نے
اندر سے ایک شالی چادر امرتسری لاکر اُڑھادی۔ اور اسکے
علاوہ بسا اوقات ان مواقع پر نقد وجنس بھی عطا فرما
حافظ محمد حماد کی پیدائش میں علامہ آسی مدراسی نے ایک قصیدہ
تہنیت و مبارکباد کا نہایت خوشخط نہایت اہتمام اور دھوم
دھام سے لکھکر بھیجا تھا۔ مولانا نے ایک سو روپیہ ان کو انعام
بھیجا۔ پھر وہ قصیدہ بجنسہ احقر کے پاس دیکھنے کو بھیجدیا۔ ہمارے
وہی حکیم صاحب نے بھی دیکھا تو چند اشعار لکھکر انھوں نے
بھی بھیجے۔ مولانا نے وہ خط پاکر بیس روپے فوراً بھیجدیئے۔
جس سے مولانا کی داد دہش اور طبیعت کے جوش کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ جناب مولانا ابوالبشر صاحب مرحوم
کی لکھی ہوئی سیرت ختم ہوئی۔۔۔۔

مفید اضافہ

(از خاکسار عبد الباطن بن علامہ اجل مولانا عبد الاول رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا ابو البشر رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی سوانحعمری ختم ہوئی اس کے بعد جو کچھ آپ مطالعہ کریں گے وہ اس احقر کے مرتب کردہ ہوں گے۔ بنگال کے جب سفر میں یہ سیرت لکھی گئی اس سے واپس آنے کے بعد مرحوم نے سیرت کی ناتمام کاپی میرے حوالہ کر دی اور یہ سلسلہ شاید اس لئے بند ہو گیا کہ اصل مسودہ کی کاپی میرے پاس تھی۔ اگر مسودہ مرحوم کے پاس ہوتا تو یقینی یہ کاپی خود تکمیل سیرت کی متقاضی ہوتی۔ عرصہ دراز تک یہ مسودہ میرے پاس گم تھا علاوہ اس کے بعض عوارض ایسے لاحق ہوئے کہ ابتک احقر کو اس کی اشاعت کا موقع نہ ملا۔ اب مفید اضافہ کے بعد "سیرت مولانا عبد الاول" کو شایع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حضرت والد محترم مولانا عبد الاول رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم میں کامل بنایا تھا چنانچہ مغربی و مشرقی بنگال میں آپ کو اہل علم حضرات بِدّار شاگر یعنی بحر العلوم کہکر یاد کرتے ہیں وہاں واعظین و لکچرار جب بنگلہ زبان میں تقریر کرتے ہیں تو آپ کے ذکر کے موقع پر آپ کے نام کے ساتھ بِدّار شاگر کا لقب شامل کر کے نام لیتے ہیں۔

آپ کی تصانیف کو آپ کی زندگی ہی میں قبولیت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ اور آپ کی لکھی ہوئی ادبی کتابیں مدارس میں داخل ہو چکی تھیں۔ خوش نصیب مصنفین کم ایسے ہونگے جن کو یہ بات حاصل ہوئی ہوگی۔ تقریباً ہر فن میں آپ کی تصانیف شایع ہو چکی ہیں۔ آپ کی مصنفات سے متعدد کتابیں داخل درس ہیں مثلاً الطرائف، المنطوق، حمادیہ، شرح قصیدہ بانت، مبادی الادب، شرح سبعہ معلقہ، الطریف کو میں نے سنہ ۱۳۴۱ھ میں مدرسۂ دیوبند میں اور سنہ ۱۳۴۶ھ میں جامع العلوم کانپور میں اور جونپور کے مدرسہ میں داخل درس دیکھا یہ بھی معلوم ہوا کہ ریاست رامپور میں یہ کتاب داخل درس ہے۔ علاوہ یو، پی کے صوبہ بہار، بنگالہ، مدراس میں

بھی جو کتاب داخل نصاب ہے۔ یہ کتاب فن ادب میں لاجواب بلکہ عجب العجائب ہے۔ اصطلاحات علما، لغات مخصوصہ محاورات عرب" الفاظ مترادفہ، صناعات تحریر، نوادر، حکایات، اشعار، صلات الافعال اور سنن العرب وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ الطریف عربی ادب میں ایک قابل قدر ولائق استفادہ کتاب ہے۔ فن ادب سے شغف رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ دیگر ادبی کتابوں سے مستغنی کر دے گا۔

حضرت مولانا بلا تکلف عربی میں تقریر و تحریر فرماتے کہ سننے اور دیکھنے والے تعجب کرتے۔

ایک مرتبہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ نے دینی کے جلسہ میں شرکت کے لئے آپ کو بنگال سے بلایا آپ الہ آباد تشریف لائے اور جلسہ میں عربی زبان میں معراج کے متعلق خطبہ شروع کیا اور ایسے موثر انداز سے بیان کیا کہ مولانا محمد حسین مرحوم بیخود ہو گئے اور حالت جذب و کیفیت طاری ہوئی اور اسی حالت میں حضرت مولانا جونپوریؒ کے کسی جملہ کو بار بار دہرانا شروع کیا۔ یہ واقعہ میں نے خود مولاناؒ سے سنا۔ اسی طرح عربی تحریر کا یہ حال تھا کہ بنگال کے

کسی مقام پر ایک ادیب عالم سے عربی میں خط و کتابت ہوئی ادیب مذکور نے بڑی جد و جہد سے لغات کی مدد سے مولانا کو خط لکھا۔ مولانا کے پاس خط آیا تو اسی وقت بیٹھے ہوئے بلا تکلف جواب لکھکر قاصد کو واپس کر دیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ادیب، قاصد سے دریافت کرتے تھے کہ کیا مولانا کے پاس کوئی عرب بھی رہتا ہے۔

آپ کی تحریر و تقریر سے برابر لوگوں کو آپ کے عرب ہونے کا شبہہ ہوتا تھا۔

مولانا لطف الرحمٰن بردوانی عربی کے زبردست ادیب تھے ایک مرتبہ مولانا کو دیکھ کر فرمایا۔

واللہ، میاں۔ میں دعوٰی سے کہہ سکتا ہوں کہ آپکا ایسا ادیب عربی ہندوستان میں کوئی نہیں ہے۔

"مفید المفتی"

حضرت مولانا کی تصانیف میں "مفید المفتی" کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ مفید المفتی فقہ حنفی کی ایک جامع تاریخ اور فتویٰ نویسوں کی رہبری کے لئے پُر از معلومات کتاب ہے اس گرانقدر کتاب میں فقہار کے طبقات۔ اُن کے قواعد و اصطلاحات کو بہت خوبی سے قلمبند کیا ہے۔ فتویٰ نویسوں اور مدارس اسلامیہ کے مدرّسوں کی رہبری کے لئے یہ ایک بیش بہا کتاب ہے۔ فقہی معلومات میں اس قدر جامع کتاب آج تک زبان اردو میں نہیں شایع ہوئی۔ اس کتاب سے صرف علمار اسلام اور مفتیوں ہی کو فائدہ نہیں بلکہ بحیثیت کتب تواریخ اسلام و تراجم علمار کرام ہونے کے ہر ایک پڑھے لکھے اور علم دوست اور مورخ کو اس کتاب مفید المفتی کی اشد ضرورت ہے۔ اور فتویٰ نویسوں اور فقہار کو اس سے کسی طرح بے نیازی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہر فتویٰ نویس کا یہ فرض ہے کہ وہ اقسام مجتہدین، طبقات فقہار، طبقات مسائل، اصطلاحات فقہار، مصنفین کتب فقہ، فقہار متقدمین و متاخرین،

آداب مفتی، علامات مفتی بہ وغیرہا کو جانے۔ اور جب اقوال علماء وفقہاء اور کتب فقہ میں باہم اختلاف ہو تو سند کس سے پکڑے اور کن کن کتابوں سے فتویٰ دینا جائز ہے۔ ان امور مذکورہ کو اچھی طرح جانے ورنہ صحیح اور درست فتویٰ ہرگز نہیں دے سکتا نہ اُس کی قوت ہو سکتی ہمیشہ دھوکا ہو گا۔

مفید المفتی کے دیکھنے اور پڑھنے والا ان تمام مذکورہ بالا امور میں متبحر ہو جائے گا۔

اس کتاب کا حجم ۲۷۸ صفحہ کا ہے۔ اس میں دو سَو سے زائد علماء وفقہاء کے صحیح حالات نقل کئے گئے ہیں۔ تین سَو کتابوں سے زیادہ کی حالت اور اُنکی درجہ قوت وضعف وغیرہ مفصل لکھا گیا ہے اور غیر معتبر کتابوں کی ایک ایسی فہرست بھی درج ہے جن سے فتویٰ لکھنا ناجائز ہے۔ نیز کتب ظاہر الروایہ، اور کنز الدقائق، مبسوط، محیط، ہدایہ کا حال سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ آخیر کتاب میں کتب فتاوی کی ایک مفصل فہرست بھی شامل ہے اور حنفیوں کی پنیتالیس ۴۵ تفسیروں کا نام مع اسمائے مصنفین درج ہے۔ یہ کتاب پنجاب اور صوبہ سرحد میں بہت مقبول ہوئی وہاں کے علماء نے اس کی قدر کی

نگاہ سے دیکھا۔ میرے اُستاد محترم مولانا احمد صاحب پنجابی رح فرماتے تھے کہ سرحد پار کے ایک قاضی القضاۃ صاحب علیہ سے میری ملاقات ہے وہ مفید المفتی دیکھ چکے تھے جب انکو معلوم ہوا کہ میں جونپور میں کسی مدرسہ میں مدرس ہوں تو مفید المفتی اور اُسکے مصنف کے بارہ میں گفتگو ہوئی جس وقت انکو یہ بھی معلوم ہوا کہ میں مصنف کے مدرسہ میں درس دیتا ہوں اور مفید المفتی کے مصنف اس وقت زندہ ہیں تو اُن کے حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی وہ سمجھے ہوئے تھے کہ مولانا عبدالاول جونپوری زمانہ ماضی کی کوئی یادگار ہیں قاضی صاحب کہتے تھے کہ کیا اس زمانہ میں بھی اس دل و دماغ کے لوگ ہیں۔ صوبہ بہار و بنگال، یوپی و پنجاب اور سرحد کے علاوہ اہل کشمیر بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہوتے۔ سری نگر کشمیر کے مشہور بزرگ مولانا سید عبداللہ صاحب سجادہ نشین درگاہ عالیہ قادر محلہ بارہ بابا عالمیکدل حضرت مولانا کی بلند پایہ تصانیف دیکھکر آپ کے غائبانہ معتقد ہوئے اور عرصہ دراز تک خط و کتابت کے ذریعہ مستفیض ہوتے رہے۔ بعد کو سند ارادت و اجازت عملیات بھی حاصل کیا گویا سجادہ نشین صاحب کے توسط سے باشندگان کشمیر بھی مستفیض ہوتے۔

مولانا غلام ربانی و مولانا غلام گیلانی صاحبان باشندگان

لہ مولانا محمد اسحاق صاحب قاضی القضاۃ دربند اسٹیٹ ۱۲

کیمل پور (پنجاب) آپ کے ذی علم خلفاء سے تھے ان لوگوں کے
ذریعہ پنجاب، کاٹھیاوار اور بنگال کے اضلاع میں دین اسلام
کی خدمت ہوئی۔ مولانا غلام گیلانی زبردست عالم مناظر اور
صاحب تصانیف شمار کیے جاتے تھے۔

حضرت مولانا جونپوری کی زندگی کا زیادہ وقت تالیف
و تصنیف، کتب بینی کرنے اور تلاوت قرآن پاک میں گذرا۔
خادموں سے سنا اور خود میں نے دیکھا کہ کتب بینی کرنے اور
کتابوں کے لکھنے میں عشاء سے فجر کر دیا۔ اسی طرح تلاوت
قرآن پاک کرنے میں صبح سے شام کر دیا۔ ایک زمانہ ایسا
بھی دیکھا کہ صبح کو تلاوت قرآن شروع کیا اور مغرب تک
مشغول تلاوت رہے یہ سلسلہ بہت روز تک جاری رہا۔ شیخ
سلیمان صاحب تمباکو گر کا باغ واقع تھینا ضلع جونپور اور
شیخ کفایت اللہ مرحوم رئیس پرتاب گڈھی کا باغ واقع پرتابگڈھ
کو تنہائی کے خیال سے پسند فرما کر مقیم ہوتے جہاں رات و
دن کا مشغلہ تلاوت قرآن تھا۔ آپ کو قرآن پاک اور حفاظ
قرآن سے دلی محبت اور لگاؤ تھا۔ اسی چیز نے آپ سے
ایک عمدہ رسالہ بنام تذکرۃ الحفاظ لکھوا کر شائع کرایا جس میں

آداب تلاوت قرآن، منازل قرآن، ذکر اکابر حفاظ قرآن، ذکر اکابر حفاظ قرآن جون پور وغیرہ کو تصریح کے ساتھ قلمبند کیا

خلاصہ کلام یہ کہ آپ کی زندگی کا جو وقت بھی گذرا وہ علمی و دینی خدمت میں گذرا۔ اسی انہماک کے سبب برما، پنجاب صوبہ سرحد اور کشمیر والوں کے طلب کے باوجود آپ وہاں کا سفر نہ اختیار کر سکے۔ یہاں تک کہ آپ مسقط راس جزیرہ سندیپ بھی دوبارہ نہ جا سکے۔ حالانکہ وہاں کے عوام و خواص علماء و فضلاء تقریباً سب کے سب آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ اور خواہشمند تھے کہ حضرت مولانا ایک بار سندیپ ادھر تشریف لا دیں۔

حضرت مولانا، اپنے پچپن سالہ دور حیات میں جس قدر دینی و علمی خدمات انجام دیں وہ آپ کی کرامت میں شمار کیجا سکتی ہیں۔ اس قلیل مدت میں تحصیل علم سے فارغ ہوکر ۳۶ سال تک بنگال و آسام میں تبلیغ اسلام کرنا اور فرقہ باطلہ سے بکثرت مباحثے کر کے ان کو راہ راست پہ لانا۔ عربی مدارس اور حفظ و تجوید قرآن کے مدرسوں کو جاری کرنا اسی کے ساتھ ایک سو اکیس ۱۲۱ کتابوں کا تصنیف کرنا سوائے

کرامت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر
آپ کے وقت میں منجانب اللہ وسعت معنوی بانہ ہوتی تو اتنا
کام بھی ممکن نہ تھا۔ جسقدر کتابیں آپ نے لکھیں سب دینی ضرورت یا سے اور عام
فائدہ کیلئے لکھیں بعض مصنفین کی طرح خود اپنے یا اپنی اولاد کے مالی
نفع کے خیال کسی تالیف کے "حق تالیف" کو رجسٹری نہیں کرایا۔
سچ تو یہ ہے کہ آپ تلاوت قرآن، کتب دینی اور تالیف و تصنیف کو اپنا مقصد حیات
سمجھتے تھے انتقال سے چند ماہ قبل جلالین شریف کا ایک مکمل اور مبسوط حاشیہ
لکھنے کی تیاری میں تھے اور اسکے متعلق تمام انتظامات کر رہے تھے
بلاد اسلامیہ کی مطبوعہ تفاسیر کے پارسل آرہے تھے کہ جونپور
کی ناقابل برداشت گرمی سے پریشان ہوکر متوسلین بنگال کی درخواست
پر بنگال روانہ ہوئے اور اسی سفر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

بمصداقِ نیۃ المومن خیر من عملہ

مولانا کی آخری آرزو تھی قرآن پاک کی خدمت جس کا وہ
پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس
حسن نیت کا پھل ہمیشہ ہمیشہ اُن کو دیتا رہے گا۔ ایک
صاحب کشف بزرگ نے مولانا کی قبر کی زیارت کی تو بعد
مراقبہ فرمایا کہ مولانا تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہیں۔

حضرت مولانا وعظ میں ادائے فرائض وواجبات کیساتھ ہمیشہ اتباع سنت کی تاکید فرماتے۔ استنجا میں کلوخ سے استعمال، وضو میں مسواک اور سفید داڑھی والوں کو مہندی کے خضاب کی ترغیب دیتے تھے۔ سود خواروں سے سخت نفرت تھی اور سود کے بارہ میں ایسا مبسوط اور سبق آموز بیان فرماتے کہ سُننے والوں کو عبرت ہوتی اور سود خوار متاثر ہوکر جلسہ ہی میں تائب ہوکر مکان واپس جاتا۔ آپ کے مترجم مولوی عباس علی مرحوم ساکن چتوشی ضلع تپرہ نے آپ کے صرف سود کے بیان کو جمع کرکے ایک ضخیم کتاب بزبان بنگلہ مرتب کی جو دیکھنے کے قابل ہے۔ مولانا سود خواروں کی دعوت نہ قبول کرتے تھے نہ اُن کا ہدیہ ہی لیتے تھے ہاں اگر یقین ہوتا کہ یہ سچے دل سے تائب ہوگا تو اس کی خواہش پر اس کے مکان پر جاکر توبہ کرادیتے۔ سود کا مال خبیث ہونیکے سبب نہ اُس کے یہاں کھانا تناول فرماتے نہ اس کا نذرانہ قبول کرتے تھے۔ بعض واقعہ ایسا بھی پیش آیا کہ سود خوار کی دعوت عدم واقفیت کی بنا پر قبول کرلیا اور

عین کھانے کے وقت جب معلوم ہوا کہ صاحب خانہ سود خوار ہیں تو کھانا تناول فرمانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک بے تکلیف وہ واقعہ مولوی عباس علی سے میں نے خود سنا۔

واقعہ۔ وہ کہتے تھے کہ ضلع دیناج پور کے ایک مقام کے رئیس نے مولانا کو بعد اصرار دعوت دیا جس کو منظور کر لیا گیا اُس رئیس کے مکان پر پہونچنے کے لئے اس وقت روہیا برنچ لائن جاری نہ ہوئی تھی رئیس مذکور کے مکان جانے میں بڑی دقت کا سامنا تھا۔ ریل کے ذریعہ اسلام پور (پورنیہ) جاکر وہاں سے بذریعہ پالکی ۱۸ میل مسافت طے کرنے کے بعد اُن کے مکان پر پہونچا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بہزار دقت ریل کے ذریعہ حضرت مولانا اسلام پور پہونچے اور وہاں سحر بعد نماز فجر ناشتہ کر کے پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور ۱۲ بجے رئیس مذکور کے مکان پر پہونچے۔ مولوی عباس علی کا بیان ہے کہ اس وقت ہم سب لوگ کو خوب بھوک لگی تھی۔ صبح صرف ناشتہ کر کے چلے تھے۔ راستہ میں بھی کچھ کھانے کو نہ ملا تھا۔ رئیس مذکور کے یہاں پر تکلف کھانے کا انتظام تھا حضرت مولانا کے سامنے کھانا چنا گیا تو کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو گیا

کہ صاحب خانہ سود خوار ہے۔ دریافت کرنے پر خود رئیس نے اقرار کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کا مہاجنی کا کاروبار اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا کھانے سے صاف انکار کر دیا اس مکان میں ایک مولوی صاحب کی جاگیر تھی وہ آئے اور مولانا کو اپنی لفاظی اور تاویل و حیلہ سے مطمئن کرنا چاہا لیکن مولانا کے سامنے سب ہیچ ثابت ہوئی وہ کھانے پر راضی نہ ہوئے۔ ہاں رئیس مذکور کی درخواست پر اُس کو اور اُس کے خاندان والوں کو توبہ کرا کر اور آئندہ کے لئے احتیاط کا وعدہ لے کر مع ہمراہیوں کے وہاں سے پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اس وقت بستی والے بھی وہاں آکر جمع ہو گئے تھے اور سب جانتے تھے کہ مولانا اسلام پور جیسے دور دراز مقام سے صرف ناشتہ کر کے چلے ہیں وہ اور اُن کے ہمراہی بھوکے ہیں۔ مگر اس جابر مہاجن کے خوف سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کھانے کا انتظام اور اکرام ضیف کا فریضہ ادا کرتا کیونکہ ایسا کرنے میں اس رئیس کی سبکی تھی۔ ممکن ہے کہ بعد کو بستی کے غریب مسلمان ستائے جاتے۔ الغرض مولانا اسی طرح اسلام پور واپس ہوئے شاید

راستہ میں کسی بازار سے کچھ خرید کر پالکی کے کہاروں اور ہمراہیوں کو کھلایا۔ یہ وقت بڑی آزمائش اور امتحان کا تھا لیکن مولانا کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔

بارہا یہ بھی دیکھا اور سنا گیا ہے کہ سود خوار کے بڑے سے بڑے ہدیہ کو واپس کر دیا۔ اس سختی کا اثر یہ ہوتا کہ جس خطہ میں مولانا پہونچے سود خواروں کے خلاف درخواستیں پہونچتیں اور مولانا کی ادنی فہمائش پر سود خوار تائب ہو کر اصل رقم لینے پر راضی ہو جاتے اور غریب مدیون کی جان بچتی۔ اس قسم کے صدہا واقعہ بنگال میں مشہور رہیا۔

واقعہ۔ حضرت مولانا ۱۲۳۹ھ ربیع الاول میں رنگپور بغرض زیارت مزار مولانا شاہ کرامت علی قدس اللہ سرہٗ تشریف لے گئے تو ایک جوان صالح مولوی نے مولانا سے بیعت اور تعلیم سلوک و توجہ باطنی کی آرزو ظاہر کی۔ مولانا بوجہ ہجوم خلائق اور مشاغل کثیرہ اُن مولوی صاحب کی تمنا پوری نہ کر سکے بنگال و آسام کے لوگ حضرت مولانا کا نام سُن کر رنگپور حاضر ہوئے تھے اس وقت وہاں خوب مجمع تھا ہر شخص کو تھا نہ کوئی آرزو لیکر آیا تھا ایسی حالت میں سب کی آرزو کیسے پوری ہو سکتی تھی خاص کر

تعلیم سلوک و توجہ باطنی۔ وہ نوجوان مولوی صاحب بھی ارادہ کے پختہ اور طلب میں صادق تھے۔ حضرت مولانا کا ساتھ پکڑ لیا اور موقعہ کے منتظر رہے۔ مولانا رح اپنے پروگرام کے مطابق جہاں جہاں جاتے وہ بھی ساتھ جاتے۔ ضلع بگرہ میں جھستان نامی ایک بلند اور پر فضا جگہ ہے وہاں کے عربی مدرسہ میں حضرت مولانا کو دعوت دی گئی۔ تاریخ مقررہ پر مولانا جھستان مدرسہ عربی میں تشریف لائے اس وقت یہ احقر بھی ہمراہ تھا۔ نوجوان مولوی صاحب بھی آموجود ہوئے۔ مغرب تک جلسہ فراغت پا گیا۔ بعد عشا طعام سے فارغ ہوکر ہم سب لوگ بستر استراحت پر دراز ہوگئے۔ آخر شب میں جب میں بیدار ہوا تو پاس کے اس کمرہ سے جس میں مولانا استراحت فرما رہے تھے رونے اور چیخنے کی آواز سنائی دی میں گھبرا کر مولانا کے کمرہ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نوجوان مولوی فرش پر تڑپ رہے ہیں اور مولانا بدھنا لئے ہوئے کمرہ سے یہ کہتے ہوئے باہر جارہے ہیں کہ مولوی صاحب کے کان میں درود شریف کی تکرار کرو۔ مولوی صاحب کو اس طرح بیخود دیکھکر میں نے خادم مولانا سے دریافت کیا کہ معاملہ کیا ہے تو انکو

بتایا گیا کہ آخر شب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر
توجہ باطنی کی درخواست کی اور اعلیحضرت نے ان کو توجہ دی
جس کی تاب یہ نہ لا سکے اور بیخود ہوئے جا رہے ہیں۔

واقعہ ۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ مولانا قاضی عبدالقدوس
احمد پوری کا سنا گیا۔ یہ قاضی صاحب زبردست عالم تھے
حافظ جمال الدین صاحب محدث کلکتہ کے لائق شاگرد اور صحبت
یافتہ تھے اور بنگال کے دو ضلعوں میں قاضی رہ چکے تھے۔
مقام گوپی ناتھ پور ضلع پابنا میں حضرت مولانا کی توجہ خاص
سے بیخود ہو گئے اور تقریباً ایک رات ان پر حالت طاری رہی
اور زندگی بھر یہ کیفیت رہی کہ مولانا کو دیکھتے ہی جسم میں
غیر اختیاری حرکت و کپکپی پیدا ہو جاتی اور بیخود ہو جاتے۔

مولانا کے ایک خادم سے یہ واقعہ سننے میں آیا کہ ایک
موقعہ پر قاضی مذکور مولانا کی خدمت میں چائے، ناشتہ کا
خوان لئے حاضر ہوئے اور مولانا پر نظر پڑتے ہی اُن کے
جسم میں غیر اختیاری حرکت پیدا ہوئی اور قریب آتے ہی مولانا
کے اوپر خوان انڈیل دیا۔

ایک عزیز قریب سے ایسے ہی اور واقعات سننے میں آئے

وہ کہتے تھے کہ مولاناؒ کی توجہ میں حدت اور گرمی از حد تھی اس لئے عام طور سے لوگوں کو توجہ نہیں دیتے تھے۔

واقعہ۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ زمانہ قیام مکہ معظمہ میں مولانا عبدالحق صاحب مکیؒ اپنی ایک کتاب غالباً دُر المنظم مجھ سے نقل کروا رہے تھے۔ خود بولتے جاتے تھے میں لکھتا جاتا تھا۔ اثنائے کتابت میں ایک بدوی کمرہ میں داخل ہوا اور دروازہ پر رکھی ہوئی صراحی سے پانی گلاس میں انڈیل کر بائیں ہاتھ سے پینا شروع کیا۔ میں سر نیچا کئے ہوئے لکھنے میں مشغول تھا۔ کہ مولانا عبدالحق صاحب نے اس بدوی سے فرمایا اِشرب بالیمین۔ اسی انہماک کی حالت میں نے اس جملہ کو مسودہ میں درج کر دیا۔ جب اختتام کتابت پر کتاب اصل مسودہ سے ملائی جانے لگی تو اشرب بالیمین کے جملہ پر پہونچکر مولانا حیران ہوئے اور کچھ مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ بعد غور کرنے کے یہ عقدہ حل ہوا کہ اس جملہ کا مخاطب بدوی تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب مولانا جونپوریؒ کی تیزی قلم اور اس انہماک پر خوش ہوئے۔

واقعہ۔ ضلع میمن سنگھ کمارکھنہ نامی مقام پر اعلیٰ پیمانہ پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس زمانہ کے مشہور لوگ مدعو کئے

گئے منجملہ ان مشاہیر کے نواب شمس الہدیٰ بھی مدعو تھے۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک استقبال کا انتظام تھا۔ مہمانوں کو اسٹیشن سے قیام گاہ تک لانے میں نواب صاحب کو امتیازی حیثیت دی گئی۔ گورنمنٹ کے بارسوخ اور خطاب یافتہ حضرات کے سامنے ملا، مولوی کی جو حیثیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا کی طرف بھی منتظمین و استقبال کنندگان کو کوئی خاص توجہ نہ ہوئی سب نواب صاحب، خان بہادر صاحب کی خاطر و مدارات میں مشغول رہے۔ جلسہ گاہ میں بھی یہی رنگ رہا۔ جلسہ شروع ہوا۔ مقرروں نے اپنی اپنی بساط کے لائق تقریریں کیں

نواب صاحب بھی چند منٹ بول کر بیٹھ گئے۔ بعد ظہر مولانا کو وقت دیا گیا۔ وعظ شروع ہوا۔ قرأت قرآن پاک اور خطبہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ لوگ نیند سے چونک اُٹھے۔ پھر ایسی پرجوش۔ پُر مغز۔ پُر معلومات اور دل پر اثر کرنے والی دلچسپ تقریر کی کہ لوگ دنگ رہ گئے مجمع پر سناٹا چھا گیا ہر شخص محو حیرت تھا۔ یہ سلسلہ عصر تک جاری رہا یہاں تک کہ عصر کی نماز اور اختتام وعظ کا اعلان ہوا تو اہل مجمع نے بعد عصر بھی وعظ کا سلسلہ جاری

رکھنے پر اصرار کیا۔ بعد عصر پھر وعظ جاری رہا یہاں تک مغرب کا وقت بھی آگیا۔ سامعین کو پھر بھی سیری نہیں ہوئی تو بعد مغرب بھی مولانا نے اپنے وعظ کا سلسلہ جاری رکھا۔

منتظمین جلسہ اور سامعین نے نواب صاحب کے اس وقت حقیقی معنوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو پہچانا اور سب کے سب مولانا کے گرویدہ ہو گئے۔ ہجوم بھی مولانا سے مصافحہ کیلئے بیتاب ٹوٹا پڑتا تھا۔ اور ہر طرف آپ ہی کا چرچا اور ہر شخص کی زبان پر آپ ہی کا نام تھا۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ اگر مولانا جونپوری اس جلسہ میں نہ آتے تو کانفرنس ناکامیاب رہتی۔ غرضکہ مولانا جس مجمع اور جس محفل میں شریک ہوتے اُن کی علمی قابلیت اور خداداد کشش خود اُن کیلئے ممتاز جگہ بنا دیتی۔ دینی اور دنیادی نعمتوں سے آپ ہمیشہ مالا مال رہے یہی وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ محسود زمانہ رہے۔

اوائل عمر ہی سے مولانا کا ستارۂ اقبال بلند اور روشن رہا۔ چنانچہ آپ نے اس سیرت میں پڑھا ہوگا کہ بعد وفات والدین آپ کی پرورش و تربیت کے لئے دو عزیزوں میں خواہش کا اتنا جوش بڑھا کہ استقرار حق کے فیصلہ کے لئے

معاملہ عدالت تک پہونچا بعد کو آپ ہی کے بیان سے ڈگری مولانا مصلح الدین مرحوم کو ہوئی اور مولانا انھیں کے زیر تربیت رہے۔ مولانا کو خدا نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ علم اعلیٰ درجہ کا تھا۔ تصانیف کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ دنیاوی ثروت قدم چوم رہی تھی دیندار و دنیا دار ہر ایک آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کے حاسدوں کی صف میں ہر قسم کے لوگ بھی نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے بارہا مولانا کو رنج و تکلیف پہونچانے کا ارادہ و مشورہ اور تدبیریں کیں۔ تحریر و تقریر دونوں سے کام لیا لیکن قدرت خداوندی نے ہمیشہ مولانا کا ساتھ دیا۔

نعمتوں کی فہرست میں مولانا کا محسود ہونا بھی ایک نعمت کا اضافہ ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محسود ہونے کی بھی دعا فرمائی تھی۔

واقعہ۔ ۲۶ شوال سنہ ۱۳۳۰ھ کو بغرض معائنہ مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند جب مولانا تشریف لے گئے تو اکابرین دیوبند کو بڑی خوشی و مسرت ہوئی آپ کو

محظوظ کرنے کے لئے اہل مدرسہ نے ایک جلسہ مناظرہ منعقد کیا جس میں طلبا و مدرسین نے حصہ لیا۔ مباحثہ طلاب اور طریقہ مناظرہ دیکھکر مولانا بہت محظوظ ہوئے اور خوش ہوکر انجمن ارشاد کو تین کشیاں مرحمت فرمایا اور کلکتہ جاکر مدرسہ کے لئے کلاک گھڑی روانہ کیا۔

واقعہ۔ حضرت مولانا کے ایک مخلص خادم شاہ اسمٰعیل نامی تھے۔ یہ شاہ صاحب شروع جوانی میں جنگل میں ایک درخت کے نیچے حالت استغراق میں چند سال گذار دیئے تھے۔ جب مولانا اُن کے اطراف میں پہونچے اور یہ شاہ صاحب حاضر کیئے گئے تو مولانا کی توجہ خاص سے شاہ صاحب کی حالت میں تغیر پیدا ہوا۔ سب چھوڑ چھاڑ مولانا کی خادمی میں داخل ہوگئے اور آخر عمر تک مولانا کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ یہ شاہ صاحب خلیفہ حبیب سیلہ سے دیکھے لیے تھے

واقعہ۔ یہی شاہ صاحب ایکمرتبہ حضرت مولانا کے ہمراہ کلکتہ آئے۔ مسجد چولیہ میں برآمدہ کے صحن میں اسباب رکھواکر مولانا نے شاہ صاحب کو نگہبانی کے لئے بٹھا دیا اور

تاکید کر دیا کہ جبتک ہم واپس نہ آدیں اپنی جگہ سے مت ہٹنا۔
یہ فرما کر مولانا کسی ضرورت سے ایک خادم کو ہمراہ لے کر
شہر گئے۔ برسات کا موسم تھا مولانا کے جانے کے بعد زور
کی بارش ہوئی تمام اسباب بھیگ گیا، شاہ صاحب خود
بھیگ گئے مگر اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اگر چاہتے تو کل اسباب
کھینچ کر برآمدہ میں محفوظ کر سکتے تھے۔ جب حضرت مولانا
تشریف لائے تو تمام اسباب تر اور تھا اور خود شاہ صاحب
سردی سے کانپ رہے تھے یہ ایک نیا منظر تھا کہ دیکھنے
والوں میں دو متضاد باتوں کا جمع ہو جانا بعید نہ تھا یعنی
غصہ اور ہنسی۔ پھر انہوں نے جب اس حرکت پر ڈانٹا
تو شاہ صاحب نے بھولے پن سے جواب دیا کہ بابا کا
حکم تھا کہ اپنی جگہ سے ہٹنا مت۔ مولانا بجائے غصہ کے اس
صحیح جواب پر خوش ہو کر ہنس پڑے۔

واقعہ۔ انہیں شاہ صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ
مولانا کا بوٹ کسی چیز (ٹماٹر) میں اٹک گیا بہت لوگوں نے
کوشش کی کہ بوٹ خشکی سے پانی میں آجائے۔ مگر کامیابی
نہیں ہوئی کسی نے کہا کہ شاہ صاحب کو بلاؤ آکر ہاتھ لگائیں

شاہ صاحب آئے اور بسم اللہ کہکر ہاتھ لگایا اسی وقت بوٹ پانی میں اتر گیا۔ اُس روز سے لوگوں نے شاہ صاحب کو پہچانا کہ قابل قدر ہستی ہیں۔

واقعہ۔ ڈمرا ضلع ڈہاکہ میں حضرت مولانا کا بوٹ تھا اہل وعیال ساتھ تھے۔ ایک روز ہولناک طوفان کی علامت ظاہر ہوئی۔ ایک طرف سے سیاہ طوفان چکر کرتا ہوا نظر آیا اس کو بنگال میں ہاتھی سونڈا کہتے ہیں یہ طوفان بہت خطرناک سمجھا جاتا ہے جس بستی پر یہ گذرتا ہے اس کو صاف کر دیتا ہے۔ درخت و مکان نوصاف ہو ہی جاتا ہے۔ تالاب کی مچھلیوں کو بھی یہ طوفان اُڑا لے جاتا ہے۔ یہ وحشتناک سمان دیکھ کر قریب کے دوسرے کشتی والے روتے ہوئے مولانا کے بوٹ کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ مولانا نے ہاتھ میں مٹی لے کر کچھ پڑھ کر دم کیا اور طوفان کی طرف اُڑا دیا۔ خدا کی شان وہ سیاہ بلا چکر مارتی ہوئی بوٹ کے قریب آکر اپنا رخ بدل کر دوسری سمت روانہ ہو گئی۔ سب لوگ خوش اور مطمئن ہو گئے اور اپنی اپنی کشتیوں کی طرف واپس ہوئے۔

ندوۃ العلماء کے متعلق مولانا کے خیالات

حضرت مولانا تمام ادارہ اسلامیہ کی ترقی اور اُن کے استحکام کے دل سے متمنی تھے۔ اور چاہتے تھے کہ قوم مسلم حد کے اندر رہتے ہوئے بصیرت حاصل کرے۔ اگر کسی جماعت سے کوئی اختلاف ہوتا تو صاف لفظوں میں ظاہر کر دیتے تاکہ اصلاح ممکن ہو۔ چنانچہ ذیل کی تحریر جو کہ مولانا سید عبدالحی بریلوی ؒ ناظم ندوہ کی تحریک پہ لکھا اس بات پہ شاہد ہے۔

"الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

جلسہ ندوۃ العلماء کی شرکت کا مجھے ابتک اتفاق نہیں ہوا مگر جہاں تک میں نے اس کے حالات سُنے اس سے مجھے قوی امید ہے کہ یہ جلسہ اپنے ارادوں میں بہت جلد کامیاب ہوگا اس کے مقاصد اور اغراض پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ جلسہ کہاں تک اہل اسلام کا بہی خواہ ہے۔ خواص علماء اور عوام مسلمانوں کی توجہ اس کی جانب ضرور رہنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے

کہ اس جلسہ کے اصل مقاصد واغراض سے اتفاق
ہے، بعض فروعی کارروائیوں سے جس میں فی الجملہ
اصلاح کی ضرورت ہے مجھے پورا اتفاق نہیں ہے۔
جو امور اصلاح طلب ہوں انکی اصلاح کردی جاوے
اور بڑے شد و مد سے اس جلسہ کے استحکام اور قیام
کی صورت معقول کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔ چونکہ
یہ اسلامی جلسہ ہے اس لیے ہر فرد بشر کو اس کا حامی رہنا
موجب ثواب اور باعث رفاہ عام ہے۔

واللہ تعالی ولی التوفیق

فقیر عبد الاول بن مولانا کرامت علی قدس سرہٗ
جون پوری
ماہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۱۹ھ (جونپور)

بعض کتابوں کے لکھنے کے اسباب

حضرت مولانا کے اُن چند رسالوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے تالیف کا سبب معلوم ہو سکا۔ واضح رہے کہ ہر مصنف کو اُس کا ماحول اور ضرورت وقت خود اس کے لئے موضوع تالیف کا تعین کر دیتا ہے اور مصنف اُس خاص ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قلم کو جنبش دیتا ہے۔ یہی حال مولانا کے اکثر تصانیف کے وجود میں آنے کا ہے۔ بعض کتابوں کی تالیف کا سبب معلوم ہو سکا جس کو ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں اکثر تصانیف کے اسباب اس لئے معلوم نہ ہو سکے کہ نہ تو وہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں اور نہ مولانا کے ہمعصروں سے کوئی موجود تھا۔

النفحۃ العنبریہ

تالیف ۱۳۰۷ھ

آئے دن میلاد و قیام کا جھگڑا اُٹھتا رہتا تھا۔ اس لئے یہ رسالہ عربی زبان میں بطرز سوال و جواب لکھکر علمائے حرمین شریفین اور وہاں کے مذاہب اربعہ کے مفتیوں کے سامنے پیش کر کے اُن حضرات سے تصویب و تقریظ لکھا کر

وہاں کے اساتذہ نے بھی اس پر تقویظیں لکھیں۔ مولانا خود فرماتے ہیں کہ اس رسالہ کے لکھنے سے میری مراد صرف رضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مولانا کی تصانیف میں یہ اول تصنیف ہے۔

۱۳۰۱ھ

الانتصار لنسائح شارح المختصر

مولانا کلکتہ میں طالب علمی کے زمانہ میں علامہ تفتازانی کی "شرح تلخیص المفتاح" پڑھ رہے تھے جب متن کی اس عبارت پر پہونچے الحمد للہ علی ما انعم وعلم تو عطف الخاص علی العام کے صحت اور عدم صحت پر استاد سے اختلاف ہوگیا تھا جس کی وجہ سے رسالہ ہذا وجود میں آیا۔

۱۳۰۹ھ

اللطافہ فی جواز اضافہ کافہ

مولانا لطف الرحمٰن بردوانی ایک بڑے ادیب گذرے ہیں۔ حضرت مولانا سے لفظ "کافہ" کی اضافت کے بارہ میں اختلاف واقع ہوا۔ حضرت مولانا اپنے قول میں حق بجانب تھے مولانا بردوانی مانتے نہ تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا جونپوری اپنے دعوی کی دلیل میں کتب معتبرہ سے نظائر جمع کر کے

یہ رسالہ مرتب فرما کر شایع کیا۔

۱۳۰۹ھ

المحاکمہ بین فضیلت عائشہ وفاطمہ

حضرت مولانا سے بار بار لوگوں نے یہ سوال کیا کہ حضرت عائشہ وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما میں فضیلت کس کو تھی اس سوال میں عام وخاص سبھی لوگ شریک تھے تو اس وقت یہ رسالہ عربی میں تالیف فرما کر شایع کیا۔

۱۳۱۱ھ

خیر الزبور فی استحباب زیارۃ القبور

گروہ درگروہ لوگوں نے یہ سوال کیا کہ زیارت قبور و ایصال ثواب کرنا مستحب ہے یا مکروہ، جائز ہے یا ناجائز اس سوال کرنے والوں میں موافق ومخالف دونوں گروہ کے لوگ تھے۔ تو ان کے جواب میں یہ رسالہ تالیف فرمایا۔

۱۳۱۲ھ

فصل الخطاب

عصر حاضر کے بعض فضلاء نے اس بات کا انکار کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو شحمہ عبدالرحمٰن کو شراب خواری اور زنا کی

حد لگائی گئی تھی وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ قصہ غلط مشہور ہوا ہے
اور جاہلوں نے اس کو گڑھا ہے اور واعظین نے اس کو غلط
مشہور کر دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا سے بعض اہل علم نے مکرر
سوال کیا تو آپ نے کتب رجال و تواریخ سے خوب تحقیق
کر کے یہ ثابت کیا کہ ابو شحمہ عبد الرحمن امیر المومنین حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے جن پہ حد لگائی گئی تھی۔

سنہ ۱۳۱۴ھ

الطریق الاسہل الی حال ابی جہل

بعض اہل علم کو یہ شبہہ تھا کہ ابو جہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا چچا تھا یا نہیں۔ لوگوں کی خواہش پر رفع شبہات کے خیال
سے یہ رسالہ اردو میں تالیف کیا۔

سنہ ۱۳۱۷ھ

دافع الخباثہ فی حرمۃ اللواطہ

مولانا عبد العزیز صاحب جوہر بنارسی کی فرمائش اور اصرار
پر یہ رسالہ تالیف کیا۔

سنہ ۱۳۱۸ھ

سبیل السداد

ایک رسالہ "سبیل الرشاد" نامی چند غیر مقلدوں نے ایک فرضی

مولف کی طرف سے شایع کیا تھا اور خلاف مذہب حنفیہ قرآن میں بجائے ضاد کے ظاء پڑھنے کو جائز بلکہ ضروری لکھا تھا۔ مولانا نے اس کے رد میں یہ رسالہ لکھا اور فن تجوید اور کتب فقہ سے ثابت کر دیا کہ ایک حرف کو دوسرے سے بدلنا جائز نہیں اور ضاد کو ظاء پڑھنا یا ذال کے مخرج سے ادا کرنا ناجائز ہے۔

سنہ ۱۳۱۰ھ

التحقیقات الخطیرۃ لمنع التصرف فی مہر الصغیرۃ

ضلع ڈھاکہ کے ایک عالم نے فتویٰ اس بارہ میں شایع کیا تھا کہ باپ نابالغہ لڑکی کا مہر شوہر سے وصول کر کے برادری کے لوگوں کو دعوت کھلا سکتا ہے اس غلط فتوی کے رد میں مولانا نے یہ رسالہ لکھکر شایع فرمایا۔

سنہ ۱۳۱۲ھ

تذکرۃ الحمام

کبوتر بازی اور اس کے اڑانے کی مذمت اور کبوتروں کے محاسن اور ان کے اطوار و عادات اور حافظ رحب لوطنی کے بارہ میں لوگوں کی خواہش پر یہ رسالہ شایع کیا۔

سنہ ۱۳۲۳ھ

عمدۃ النقول فی کیفیت ولادۃ الرسول

مولانا نے ایک روز بعد نماز جمعہ اثنا روعظ میں کیفیت ولادت رسول کے بارہ میں تشریح کی تو بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں شبہ ظاہر کیا تو آپ نے علمار کے اقوال جمع کر کے بصورت رسالہ شایع فرمایا۔

سنہ ۱۳۲۹ھ

شجرات طیبات

حضرت مولانا شہر گوالپارہ (آسام) جب تشریف لے گئے تو وہاں بعض دشمنان سلسلہ محمدیہ نے یہ فتنہ پھیلایا کہ طریقہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، مجددیہ تو مشہور ہیں یہ پانچواں طریقہ محمدیہ کہاں سے نکلا۔ یہ طریقہ محمدیہ وہابیوں کا طریقہ ہے جو اس میں بیعت لیتا ہے وہ وہابی ہے مولانا نے اس فتنہ و فریب کے استیصال کے لئے یہ رسالہ لکھا اور یہ ثابت کیا کہ طریقہ مشائخ چار ہی طریقہ پر منحصر نہیں ہیں۔ ثبوت میں بزرگان طریقت ومشائخ شریعت کے سلسلوں اور خانوادوں کو تفصیل کیساتھ دکھلایا ہے۔ اس رسالہ کا ماخذ ۲۳ کتابیں ہیں۔

۱۳۲۹ھ

تفصیل البیان

ایک رسالہ بزبان بنگلہ شایع ہوا تھا جس میں لکھا تھا۔ کہ ختمات میں، جنازہ کی نمازیں اور قرآن پڑھ کر اور زیارت قبور و ایصال ثواب کر کے خیرات لینا جائز نہیں اگرچہ دینے والا لِلّٰہ کہہ کر دے۔ جن مُلّا مولوی لوگوں نے اس پیشہ کو اختیار کیا ہے۔ وہ بدعتی، فاسق حرامخوار ہیں اُن کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان خیالات کی تردید میں مولانا نے فقہ سے مدلل کر کے یہ رسالہ شایع کیا۔

فتوی رقص و غنا

بے شرع پیروں نے ذکر کے ساتھ رقص و غنا کو معرفت کا جز قرار دے کر رواج دیا اور جہلا کو گمراہ کرنا شروع کیا تو مولانا نے یہ فتوی لکھ کر اس فتنہ کا انسداد کر دیا۔

۱۳۳۲ھ

الدرۃ الغالیہ فی مناقب معاویہؓ

اکثر لوگ بوقت ذکر معرکۂ کربلا و خلافت حضرت معاویہ ر

بیعت یزید۔ اہلبیت کی فرط محبت میں حضرت معاویہؓ کو نا ملائم
الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور نشانہ لعن و طعن بناتے ہیں اس
معصیت سے بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
مناقب میں یہ رسالہ لکھا ہے اور بعض شبہات کا ضمناً جواب دیا۔

البراھین الفاتحہ ۱۳۳۵ھ

مولانا کے سامنے قرأت، فاتحہ خلف امام کے بارہ میں سوال
کیا گیا اور غیر مقلدین کے اختلاف کو پیش کیا گیا تو یہ رسالہ
ملک التجار حافظ محمد حسین ڈہاکہ کی فرمائش پر لکھ کر شایع کیا گیا۔

تذکرۃ المصلین

منکرین تقلید سے کچھ لوگوں نے اس طرح زبان طعن دراز
کیا کہ زیادہ نفلین پڑھنا بدعت ہے اور کثرت عبادت راہبوں
اور جوگیوں کا طریقہ ہے تو حضرت مولانا نے یہ رسالہ
تصنیف فرمایا اور واقعات و نظائر اور بزرگوں کے اقوال
اور احادیث سے ثابت کیا کہ کثرت عبادت مستحسن و پسندیدہ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۱۳۳۷ھ فی

صریف الاقلام بنبوت آدم علیہ السلام

ایک ندوی عالم نے اخبار ہمدم لکھنؤ میں یہ عجیب مضمون شائع کرایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی نہ تھے۔ حضرت مولانا نے اس کی تردید میں یہ رسالہ لکھا اور کتب تواریخ وتفسیر سے یہ ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

۱۳۳۷ھ

تحسین الحلیہ بتوفیر اللحیہ

داڑھی کے بارہ میں بعض نئی روشنی کے انگریزی داں لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ داڑھی کی کمی وزیادتی کی کوئی حد نہیں ہے اور داڑھی کے تراشنے اور کترنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بعضوں نے تو داڑھی کی مشروعیت ہی سے انکار کردیا۔ یہ دیکھ کر بعض کامل الایمان حضرات نے مولانا سے اس بارہ میں اصرار کیا کہ آپ تحقیق فرماکر تمام باتوں کا جواب لکھ کر شائع کیجیے۔ تو مولانا نے اسی کتابوں کی مدد سے خوب تحقیق فرماکر یہ کتاب لکھی۔

۱۳۳۸ھ
الاذان الوہبی

جواز جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں بکثرت خطوط بنگال سے آئے اور لوگوں نے دریافت کیا کہ بنگال کے دیہاتوں میں ہم لوگ جمعہ پڑھیں یا نہ پڑھیں تو مولانا نے ادائے جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں بہت تحقیق سے یہ جامع رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ اس رسالہ میں ہند و بنگال کے مشہور علماء حق کے دستخط ہیں۔

۱۳۳۸ھ
نقول العلماء والفحول فی عدم ظل رسول

حضرت مولانا نے ایک میلاد کا رسالہ بزبان اردو لکھا تھا جس میں یہ بیان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ روز روشن اور شب ماہ میں زمین پر نہیں پڑتا تھا تو اس مضمون پر مولانا کے ایک مخلص نے اپنا شبہ ظاہر کیا اور کہا تا وقتیکہ صحیح طور پر اس کا ثبوت نہو، لکھنا مناسب نہیں۔
چنانچہ مولانا نے معتبر کتابوں اور بڑے بڑے محدثین کے اقوال سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اسکو مولانا نے ۱۸ معتمد کتابوں کا حوالہ دے کر شائع فرمایا۔

ذکر اسناد

ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حضرات محدثین اور علماء کرام اپنے مشائخ و اساتذہ کی سندوں کو محفوظ رکھتے ہیں کیونکہ اہل علم کی نظر میں سندوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس اہمیت کا اندازہ اقوال ذیل سے کیا جاسکتا ہے

قال بعض العلماء الاوائل الاسناد کالسیف للقاتل۔

قال ابن المبارک لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

قال الامام ابن معین الاسناد العالی قربۃ الی اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال الامام محمد بن ادریس الشافعی الذی یطلب الحدیث بلا سند کحاطب لیل یحمل الحطب وفیہ افعی وھو لا یدری۔

اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا نے زمانہ قیام حرمین شریفین میں اپنے اساتذہ کرام و مشائخ عظام سے سند مسلسل حاصل کیں جو قلمی بصورت رسالہ بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور کتب خانہ اویسیہ کانوالہ جدید میں محفوظ ہیں۔ طوالت کے خیال سے اُن کا ضروری خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

سنہ ۱۳۰۶ھ میں حضرت مولانا مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ مدرسہ مذکورہ کے علاوہ آپ نے شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے بھی استفادہ کیا اور تمام حضرات نے مولانا کو ہمیشہ محبت و وقعت کی نظر سے دیکھا اور اپنے اپنے سلسلہ کی سندیں عطا فرمائیں۔ مولانا کو علاوہ کتب درسیہ کے، سند مسلسل بالاولیہ وسند مسلسل بالمصافحہ و سند مسلسل باجابۃ دعا فی الملتزم بھی حاصل تھی۔ آپ کے اساتذہ کرام نے جو سندیں عطا فرمائیں وہ مفصل اور طویل ہیں۔ اسناد کے ذکر میں پہلی سند مولانا رحمت اللہ صاحب بانی مدرسہ صولتیہ کی عطا کردہ سند کا نام آتا ہے۔ آپ نے ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۷ھ میں بزبان فارسی سند عطا فرمائی جس میں کتب درسیہ کا نام درج ہے اور سند پر حضرات ذیل کے نام ہیں

(مولانا) رحمت اللہ بن خلیل الرحمن۔

(مولانا) حضرت نور۔

(مولانا) عبدالسبحان۔

(مولانا) عبدالحلیم خراسانی۔

دوسری سند - شیخ الدلائل مولانا عبد الحق مہاجر مکی نے عطا فرمائی جس میں کتب ذیل کی قرأت کا ذکر ہے۔

شمائل ترمذی ۔ تفسیر جلالین ۔ صحیح بخاری

مولانا عبد الحق صاحب اپنی ارسال کردہ سند میں حضرت مولانا کے متعلق فرماتے ہیں

قد اجزت الهمام المذكور مولانا عبد الاول بجميع ما يجوز لى روايته من كتب الحديث كالكتب الستة والجوامع والسنن والمعاجم والاجزاء والمشيخات والمستدركات والمسلسلات وغير ذلك۔

تیسری سند - علامہ دمیاطی الشافعی کی ہے وہ مولانا کے متعلق اپنی سند میں لکھتے ہیں۔

قد استجازنی فيما تصح لى روايته فى القديم والحديث من كل معقول ومنقول ومسموع ومأثور واصول وتفسير وحديث وصرف ونحو ومنطق وتوحيد وفرائض فقلت قد اجزت الشاب النجيب الاريب واللوذعى

الالمعی اللبیب عبد الاول بن مولانا
علی اصغر جونپوری الحنفی ؒ

چوتھی سند:- مولانا ابن القادری کی طرف سے ہے وہ اپنی سند میں فرماتے ہیں۔

انی اجیزۃ (مولانا عبد الاول) بجمیع مرویاتی عن اشیاخی وساداتی بعد ان قرا علی اوائل اربعین کتابا للشیخ اسمٰعیل العجلونی بن محمد جراح وسمع منی الحدیث المسلسل بالاولیہ وسورۃ الصف والحدیثما والفاتحہ وجملہ من المسلسلات

پانچویں سند- مسند المسلسل بالاولیہ ہے اس سند کو مسلسل بالاولیہ اس لئے کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ سے لے کر ابو داؤد اور ترمذی تک بلکہ اس کے بعد کا ہر راوی کہتا چلا آتا ہے ھو اول حدیث سمعتہ من فلان

مسلسل بالاولیہ کی وہ مشہور حدیث جس کی سند کا ذکر کیا جا رہا وہ یہ ہے۔

الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔

اسی طرح سفیان بن عیینہ کے بعد کے ہر وہ راوی جس نے روایات حدیث میں جزوی عنہ سے اس حدیث مذکورہ کی اول سماعت کی ہے وہ اپنی سند میں ھواول حدیث سمعتہ من فلان کہتا چلا آتا ہے۔ حضرت مولانا کو اس حدیث کی سند مولانا منظور احمد صاحب سے حاصل تھی۔

مولانا منظور احمد صاحب اپنی سند میں فرماتے ہیں۔

یقول العبد الضعیف منظور احمد عفی عنہ
اجزت بھذ السند المسلسل لاخینا المکرم
المفخم العالم الکامل والفاضل الاجل مولانا
الشیخ المولوی عبد الاول کما اجازنی شیخنا
فی المسجد النبوی والروضۃ المطھرۃ ھو اول
حدیث سمعتہ من الشیخ سلمہ اللہ تعالی

چھٹی سند۔ سند المصافحہ ہے۔ اس سند کا ہر راوی اپنے شیخ سے مصافحہ کو ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچتا ہے۔ عبارت حدیث مصافحہ یہ ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال صافحنی

یا شمو رش فانہ من صافحنی او صافح من صافحنی الی سبع مرات دخل الجنۃ من غیر سابقۃ العذاب۔

حضرت مولانا کو سند مصافحہ بھی مولانا منظور احمد صاحب ہی سے حاصل تھی وہ فرماتے ہیں۔

قد صافحت مع اخی فی اللہ العالم الکامل والفاضل الاجل مولانا الشیخ المولوی عبد الاول فی مسجد النبوی والبقعۃ المبارکۃ بین المنبر المنیفہ والقبر الشریف اعنی فی روضۃ الجنۃ واجزتہ کما اجاز اشیاخی

حضرت مولانا کے مصافحہ کا تسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے

ساتویں سند۔ سند المسلسل باجابۃ الدعاء فی الملتزم ہے۔حدیث کی عبارت یہ ہے۔

سمعت عبد اللہ بن عباس یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الملتزم موضع یستجاب فیہ الدعاء وما دعا اللہ فیہ عبد الا استجابہا

قال ابن عباس فو الله ما دعوت الله عز وجل فیہ الا استجاب لی منذ سمعت هذا من رسول الله صلی الله علیہ وسلم۔

حضرت مولانا کو اجابت دعا فی الملتزم کی سند بھی مولینا منظور احمد صاحب سے حاصل تھی۔ اُن کی عطا کردہ سند کی عبارت یہ ہے۔

یقول الفقیر منظور احمد عفا الله عنہٗ انا والله دعوت الله عز وجل فاستجاب لی۔ واجزت بهذا السند لاخینا و مولانا العالم الاجبل والفاضل الکامل المولوی عبد الاول فی المسجد النبوی والروضۃ المشرفہ بنور النبوۃ

آٹھویں سند:۔ حضرت قطب الاقطاب مولینا حافظ احمد صاحبؒ جونپوری کی ہے۔

آپ اپنے برادر اصغر مولانا عبد الاول صاحب کو کل اُن چیزوں کی سند و اجازت عطا فرماتے ہیں جن کی سند اپنے شیخ سے خود اُن کو حاصل تھی۔

حضرت مولانا حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

عطا کردہ سند کی عبارت یہ ہے۔
اما بعد فقد اجزت العالم الفاضل الکامل مولانا الحافظ عبد الاول بن مولینا کرامت علی بکل ما یجوز لی روایة و درایة من منقول و معقول الخ

قال بفمہ و رقمہ بقلمہ احمد بن علی الجون فوری غفر اللہ لہما آمین

ذکر اسناد طریقت

حضرت مولانا کو بیعتِ ارادت اپنے والد حضرت مولانا کرامت علی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی اور اُن کو حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اسکے بعد کا سلسلہ مشہور ہے۔ طریقہ چشتیہ میں مولانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ۳۵ واسطہ ہے۔ طریقہ قادریہ میں ۳۷ واسطہ ہے۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں ۳۵ واسطہ ہے۔

ذکر نسب

آپ کا پدری سلسلۂ نسب ۳۶ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ مفصل نسب نامہ "سیرت مولانا کرامت علی جونپوری" میں درج ہے۔ پدری سلسلہ سے آپ صدیقی تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کی نانی قدرت بی بی خاندان عباسیہ سے تھیں۔ ان کی گیارھویں پشت میں حضرت مخدوم جلال شاہ محمد اسمٰعیل عباسی چریا کوٹی ہیں تو آپ نسب مادری کے لحاظ سے عباسی ہیں۔

شاہ اسمٰعیل کا نسب نامہ کتاب الانساب میں مطالعہ فرمائیے

تلاوت قرآن اور ایصال ثواب

حضرت مولانا تلاوت قرآن پاک کے بڑے پابند تھے اور بلا تعین وقت برابر یہ سلسلہ جاری رکھتے۔ اسی طرح سفر و حضر، ریل و جہاز پر یہ معمول برابر جاری رہتا۔ اُن کی عادت میں یہ بات بھی داخل تھی کہ عموماً بعد ختم قرآن اس کا ثواب ارواح مسلمین کو بخشدیتے۔ کبھی کبھی خاص طور سے نام لیکر بھی

لوگوں کو ختم قرآن کا ثواب بخشدیتے۔ چنانچہ حضرت مولانا "ترغیب التالیف" میں اپنی اس عادت مستمرہ کے بارہ میں خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس فقیر نے اکثر جب کسی عالم کی کتاب سے نفع پایا ہے یا کسی امر کی تفتیش کی۔ اور بہت ورق گردانی کے بعد کسی کی کتاب میں وہ مضمون مل گیا تو ضرور بالضرور اس کے واسطے فاتحہ پڑھ کر یا جو کچھ اسکے علاوہ ممکن ہوا تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا ہے اور خصوصاً ختم قرآن کر کے امام اعظم رح اور امام جلال الدین سیوطی رح کے نام پر ایصال ثواب کیا ہے اور نیز ملا علی قاری، صاحب قاموس و صراح و صاحب نزہتہ المجالس وغیرہم کے واسطے ختم قرآن بھی پڑھا ہے اور اکثر ایسا بھی کیا ہے کہ ایک ختم قرآن پڑھ کر جملہ مولفین کو مصنفین کے نام ایصال ثواب کیا۔ اور ایسا بھی اتفاق پڑا ہے کہ ایک ختم قرآن پڑھ کر اصحاب کرام اور ایک ختم پڑھ کر تابعین اور ایک ختم پڑھ کر ائمہ مجتہدین اور

ایک ختم پڑھ کر صوفیہ کرام و اولیاء عظام کیواسطے ایصال ثواب کیا۔ اسی طرح سے اور بھی تخصیصوں کے ساتھ ختم قرآن پڑھا ہے جس کو تفصیل کیساتھ لکھنا مناسب نہیں ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔
یہ تو اکثر عادت میں داخل ہو گیا ہے کہ جب کوئی کارآمد بات یا ایسی بات جس کو پہلے پہل کسی کتاب میں نظر سے گذری تو فوراً سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر اسکے مصنف کے واسطے ایصال ثواب کردیتا ہوں یہ بیان کردینا از راہ تفاخر نہیں ہے بلکہ یہ ایک عمدہ طریقہ کی تعلیم کردی گئی جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اعمال صالحہ کرکے اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو بخشدیا کرے اس سے علم میں برکت اور فتوحات اور کشف اور فہم کامل حاصل ہوتا ہے اور اس عمل سے بہت سے فائدہ کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
اور ان مصنفین مرحومین کی کتاب سے نفع لے کر اُن کے واسطے کچھ نہ کرنا ناشکری میں داخل ہے احسان کا بدلا احسان کرنا یا محسن کو فائدہ پہونچانا

ضروری بات ہے۔ محسن اگر فائدہ پہونچانیکا
محتاج نہو تو اس کی تعریف اور ثنا و صفت میں
رطب اللسان رہنا بھی شکر گذاری ہے۔

(ترغیب التالیف)

مولاناؒ کی عادت تھی کہ بعد ختم قرآن جملہ اہل اسلام کی
ارواح کو ایصال ثواب کرتے۔ اُن کے روزنامچہ دیکھنے
سے بہت ایسے حضرات کے نام کا پتہ بھی چلتا ہے جن کے
لئے خاص طور سے قرآن پاک ختم کرکے ایصال ثواب کیا۔
اُن ناموں میں زیادہ ایسے حضرات ہیں جن کے لئے متعدد
بار ختم قرآن کیا گیا۔ اُن حضرات کے اسمار مبارک درج ذیل ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم — حضرت ابوبکر صدیق رضؓ
حضرت عمر فاروق رضؓ — حضرت عثمان غنی رضؓ — حضرت علی مرتضیٰ رضؓ
جمیع خلفاء راشدین رضؓ — جمیع صحابہؓ تابعین رضؓ — امام اعظم ابو حنیفہ رحؒ
صاحبین امام اعظم رحؒ — امام زفر و امام حسن رحؒ — شہداء احد
شہداء بدر — شہداء کربلا — حضرت غوث الاعظم
خواجہ معین الدین چشتی رحؒ — حضرت جنید بغدادی رحؒ — قطب الدین بختیار کاکی رحؒ
فرید الدین گنج شکر رحؒ — نظام الدین اولیا رحؒ — ازواج مطہرات رضؓ

منصور حلاج رح　　امام شاذلی رح　　مولانا کرامت علی رح

والدہ محترمہ خود　　شاہ عبد العزیز رح　　شاہ عبد القادر رح

شاہ عبد الغنی رح　　شاہ رفیع الدین رح　　شیخ عبد الحق محدث رح

جلال الدین سیوطی رح　　جمیع حفاظ امت　　جمیع فقہاء کرام رح

جمیع محدثین رح　　جمیع صوفیاء کرام رح　　جمیع مسلمین و مسلمات

جمیع علماء اسلام رح　　شیخ عبد الحق ردولوی　　مولانا حافظ احمد[۱] جونپوری رح

مولانا محمود[۲] جونپوری رح　　مولانا مصلح الدین[۳] جونپوری　　مولانا عبد القادر[۴] جونپوری رح

مولانا محمد محسن[۵] جونپوری رح　　مولانا محمد حسین الہ آبادی　　حافظ محمد قاسم[۶] جونپوری رح

شاہ مقبول حسین[۷] جونپوری رح　　مولوی[۸] محمد ہاشم جونپوری رح　　ملا علی قاری رح

صاحب قاموس رح　　صاحب صراح رح　　صاحب نزہۃ المجالس رح

قرۃ العین حسانہ[۹] رح　　جمیع مصنفین رح　　جمیع ائمہ مجتہدین رح

جمیع اولیاء کرام رح

ختم قرآن کے ذریعہ اموات مسلمین کو نفع پہنچانے کا جو عملی نمونہ مولانا رح نے پیش کیا ہے وہ قابل تقلید ہے۔

---

۱ و ۲ مولانا کے بڑے بھائی ۳ و ۴ و ۵ مولانا کے چچازاد بھائی

۶ مولانا کے حقیقی بھانجے ۷ مولانا کے بڑے داماد

۸ مولانا کے حقیقی بھانجے ۹ مولانا کی دختر۔

وفات

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بنگال کے سفر سے آخری بار ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ کو جون پور تشریف لائے اور دو ماہ بیس یوم مکان پر قیام فرمایا۔ اس درمیان میں کتب خانہ کی صفائی اور کتابوں کی فن وار ترتیب کے کام کو انجام دیتے رہے کبھی کبھی شب میں استاذی مولانا احمد صاحبؒ پنجابی کی قیام گاہ پر تشریف لاکر علمی گفتگو میں مشغول ہوتے۔ آپ کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہوتا کہ آپ کا دل اُچاٹ اور تعلقات دنیا سے سرد ہو چکا ہے۔ اگر کوئی دھن تھی تو یہ کہ جلالین شریف کے حاشیہ کا کام شروع ہو جائے۔ یہ زمانہ جونپور میں سخت گرمی کا تھا۔ لُو شدت کی چل رہی تھی۔ دن تو دن رات کٹنی دشوار تھی۔ لوگ چند منٹ تسکین حاصل کرنے کے لئے چادریں پانی میں تر کر کے اوڑھ لیا کرتے۔ ایسی شدت کی گرمی اور رمضان کا مہینہ۔ یہاں جونپور کا تو یہ حال تھا۔ دوسری طرف بنگال سے معتقدین ومتوسلین کے طلبی کے خطوط آرہے تھے۔ اس خیال سے کہ بنگال میں

بارش ہورہی ہے۔ ٹھنڈا ہے۔ رمضان آرام سے گزریگا۔
ہم لوگوں نے حضرت مولانا کو سفر بنگال کا مشورہ دیا جسکو
آپ نے پسند فرماکر برادرم مولانا حافظ محمد حماد صاحب اور
احقر کو بھی ہمراہ لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور ۱۹ رمضان
روانگی تاریخ مقرر کردی۔ چنانچہ تاریخ مقررہ پر حضرت
مولانا ہم دونوں بھائیوں اور ایک خادم کو لیکر بمعیت
مولانا شاہ محمد سالم صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۹ھ
کو سنیچر کے دن بعد عصر جونپور سے روانہ ہوئے اور دوسرے
روز بعد مغرب کلکتہ پہونچے۔

کلکتہ میں دو یوم قیام کرکے فرید پور (مشرقی بنگال) کے
لئے روانہ ہوئے اور ایک روز راج باڑی میں استراحت
فرمایا۔ راج باڑی میں اچانک مولوی محمد شیث جونپوری کو
آتے دیکھکر بہت مسرور و خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے
آرام کا آدمی آگیا۔ اور انکو تادم اخیر اپنے ہمراہ رکھا۔

۲۵ رمضان کو فرید پور پہونچے۔ اور وہاں کے مشہور
زمیندار معیز الدین بشاش کے یہاں قیام فرمایا۔ زمیندار
مذکور کو مولانا کے ساتھ بہت اخلاص و محبت تھی۔ عید یوم آرام

فرما کر معتقدین ناگرکانده کی خواہش واصرار پہ آپ ۲۸ رمضان دوشنبہ کو ۳ بجے دن میں ناگرکانده پہونچے۔ ۲۹ و ۳۰ رمضان کے روزنامچہ کی تحریر بتلا رہی ہے کہ آپ باصحت تھے احقر اس وقت اُن کے پاس موجود نہیں تھا۔ احقر کو فرید پور ہی سے بغرض امامت عیدگاہ شالدہ روانہ فرما چکے تھے۔
بھائی صاحب اور دیگر خادموں سے معلوم ہوا کہ بعد عید الفطر مولانا پر اچانک فالج کا حملہ ہوا۔ اور اُسی وقت بذریعہ کشتی آپ ناگرکانده سے شہر فرید پور لائے گئے۔ احقر بھی اطلاع پاتے ہی فرید پور پہونچا۔ والد محترم کا حال دیکھ کر ہوش و حواس جاتے رہے۔ علاج ہو رہا تھا اور مرض کی رفتار ترقی پر تھی اور دن بدن حالت گرتی جا رہی تھی۔ تار پاکر میرے ماموں مولانا عبد الکبیر صاحب بھی جون پور سے فرید پور پہنچے۔ سب کے مشورہ سے بغرض علاج یا بکشش خاک گور آپ کلکتہ لائے گئے۔ کلکتہ مرزا پور میں حضرت مولانا کے مخلصوں کی ایک بڑی جماعت رہتی ہے وہ لوگ سیالدہ سے اپنے یہاں مولانا کو لائے۔ اور علاج کے لئے بڑی جد و جہد شروع کی۔ مولانا کا یہ وقت آخیر تھا۔ اور یہ وہ وقت ہے کہ جس کا زمانہ

اس کے سامنے عاجز ہیں۔

شب شنبہ ۱۳ر شوال ۱۳۳۹ھ کو مولانا نے کلکتہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

لوگوں نے کوشش کیا کہ دہلی والوں کے باغ میں آپ کو دفن کیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودنے کا کام شروع ہو گیا کہ آپ کے مخلص قدیم عبدالرحمن خاں ڈھاکہ والے روتے ہوئے آئے اور آرزو کی کہ آپ کا مزار مقدس میرے باغ میں بنے میں مولانا کا قدیم خادم ہوں۔ اُن کے اصرار پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے باغ مانک تلہ میں دفن کیا گیا ہے۔ نماز جنازہ مولانا ولایت حسین صاحب مدرس اول مدرسہ عالیہ نے ناخدا کی مسجد میں پڑھائی۔

مولانا کی عمر پچپن سال تھی۔ آپ کی وفات پر ایک صاحب نسبت بزرگ مولانا عبداللہ کشمیری کے دل پر تاریخ وفات کی یہ آیت قرآن پاک وارد ہوئی۔

فَلَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ؕ

۱۳۳۹ھ

فہرست تصانیف مطبوعہ حضرت مولانا رح

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
۱	النفحۃ العنبریہ لاثبات القیام فی مولد خیر البریہ		عربی
۲	جوامع الکلم	حدیث	"
۳	اصح الکلام	"	"
۴	شرح اربعین	"	اردو
۵	انجاح السول بذکر شیب الرسول	"	عربی
۶	الفتاویٰ الیمانیہ فی احکام الثمانیہ	مسائل فقہ	"
۷	خیر الزبور فی استحباب زیارۃ القبور	فقہ	"
۸	تفصیل البیان	"	اردو
۹	فتویٰ سجود لغیر اللہ	"	"
۱۰	فتویٰ رقص و غنا	"	"
۱۱	ایذان الوریٰ بصحۃ الجمعہ فی المدن والقریٰ	"	"
۱۲	مفید المفتی	تاریخ فقہ	"
۱۳	التحقیقات الخطیرہ لمنع التصرف فی مہر الصغیرہ		"

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
۱۴	تاریخ الاولیا	تاریخ	اردو
۱۵	لب التواریخ	〃	〃
۱۶	اعمار المعمرین	〃	عربی
۱۷	وفیات المشاہیر	〃	اُردو
۱۸	الزلازل	〃	〃
۱۹	سفرنامہ بلوقیا	〃	〃
۲۰	تذکرۃ الحفاظ	〃	〃
۲۱	النوادر المنیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رح	فضائل	عربی
۲۲	البسط فی بیان الصلوٰۃ الوسطیٰ	〃	〃
۲۳	المحاکمہ بین فضیلۃ عائشہ وفاطمہ	〃	〃
۲۴	اللآلی الغالیہ فی مناقب معاویہ رض	〃	〃
۲۵	زینۃ العمامہ بالعذبۃ والعمامہ	〃	〃
۲۶	المقانب المنیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رح	〃	فارسی
۲۷	البیان المنسجم فی کشف المستجم	〃	عربی
۲۸	تحسین الحلیہ بتوفیر اللحیہ	〃	اردو

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
۳۰	الطریف الادیب الظریف	ادب	عربی
۳۱	المنطوق لمعرفت الفروق	"	"
۳۲	تمرین الطلاب لحصول الاداب	"	"
۳۳	مبادی الادب	"	"
۳۴	ترقین الادب	"	"
۳۵	ناصحة الادب	"	"
۳۶	المترادفات	"	"
۳۷	حاشیه بانت سعاد	"	"
۳۸	مجلة الادیب لاجلة السنادیب	"	"
۳۹	الدر النضید فی غر القصید	"	"
۴۰	شرح قصیدہ امرؤ القیس	"	"
۴۱	تحقیق الاسامی بوجوہ التسامی	"	"
۴۲	قصیدہ وجهیه	"	"
۴۳	منحة بحریه فی جلسه واحد نهاریه	"	"
۴۴	خیر الخطب	خطبه	"

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
۴۵	جیبی خطبہ	خطبہ	عربی
۴۶	احسن الخطب	خطبہ و نصائح	״
۴۷	المواعظ المختصرۃ فی الخطب المختصرۃ	خطبہ	״
۴۸	ازالۃ الریب فی منع نتف الشیب	نصائح	اردو
۴۹	عورتوں کا خیر خواہ	״	״
۵۰	ہدایت النسوان	״	״
۵۱	دافع الخباثۃ فی حرمۃ اللواطہ	״	״
۵۲	المواہب العلیہ فی المحامد الالٰہیہ	״	عربی
۵۳	تذکرۃ المصلین	״	اردو
۵۴	سبیل السداد فی مسئلہ الضاد	مناظرہ	״
۵۵	الازہر فی تسامح شارح مختصر	״	عربی
۵۶	کتاب الخفاء فی ذکر الضعف والضعفا	״	اردو
۵۷	صریف الاقدام فی نبوۃ آدم علیہ السلام	״	״
۵۸	اظہار حق	״	״
۵۹	البراہین القاطعہ	״	״

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
٦٠	الطاقه فی جواز اضافه کافه	مناظره	عربی
٦١	فضائل بسم الله	عملیات	اردو
٦٢	فضائل قل هو الله	"	"
٦٣	وسیلة الرزق	"	"
٦٤	تسکین خاطر	"	"
٦٥	اوراد مرشد	"	عربی
٦٦	ارشادات	تصوف	اردو
٦٧	نافع المسلمین	"	"
٦٨	شجرات طیبات	"	"
٦٩	الطریق السهل الی حال ابی جهل	معلومات	عربی "
٧٠	تذکرة الحمام	"	اردو
٧١	احسن الوسائل الی حفظ الاوائل	"	عربی
٧٢	فصل الخطاب فی بیان ان اباشحمه هو عمر بن الخطاب	"	"
٧٣	وقوف النبی علیه السلام	"	"
٧٤	القول الادهم فی ذکر النوم	"	"

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
٧٥	جواب آلہی از جانب رسالت پناہی	معقولات	اردو
٧٦	شجرۂ امام اعظم	"	"
٧٧	عمدۃ النقول فی کیفیۃ ولادۃ الرسول	"	عربی
٧٨	ترغیب التالیف	"	اردو
٧٩	فتاوی اولیہ	"	"
٨٠	الجواہر المنتشرۃ فی مسائل المتفرقۃ	"	عربی
٨١	اخائر الذخائر فی نسب الاکابر	"	"
٨٢	شکر المعطی	"	"
٨٣	نقول العلماء الفحول فی عدم ظل رسول	"	اردو
٨٤	العجالۃ المرتجلۃ	"	
٨٥	تکبیر	"	اردو
٨٦	معیار	"	"
٨٧	حمائیہ	قواعد تجوید	فارسی
٨٨	تعلیم الحروف	صرف قواعد	عربی

فہرست تصانیف غیر مطبوعہ

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
٨٩	ابلغ الکلام فی	حدیث	عربی
٩٠	کتب النبی علیہ السلام		
٩١	الحلق المحن فی احادیث الفتن	″	″
٩٢	الاحادیث الجمعہ	″	″
٩٣	کتاب الفتن	″	″
٩٤	کتاب المناہی	″	″
٩٥	کتاب الکبائر	نصائح	″
٩٦	روح الاشباح	″	″
٩٧	آداب المریدین	تصوف	اردو
٩٨	یادگار فقیر	″	″
٩٩	السفر المزبور فی تراجم علماء جونپور	تاریخ	عربی
١٠٠ ١٠١	نوادر العلوم ؛ الترفہ فی اہل الصفہ	″	″
١٠٢	تذکرۃ المرسلین	″	اردو
١٠٣	دیوان الخطب	ادب	عربی
١٠٤	دیوان فقیر	″	اردو

نمبر شمار	کتابوں کے نام	فن	زبان
۱۰۵ / ۱۰۶	دیوان الاشعار ÷ اوراق الذهب	ادب	عربی
۱۰۷ / ۱۰۸	الاحتجاج ÷ عروس الافکار	"	"
۱۰۹	نخل الوالد للنخل الراشد	"	"
۱۱۰	المسموع فی الجموع	"	"
۱۱۱	جلاء العینین فی ذکر الاثنین	"	"
۱۱۲	مقدمہ منیہ المصلی	فقہ	عربی
۱۱۳	جامع الفتاویٰ	"	اردو
۱۱۴	مسائل لاحق ومسبوق	"	"
۱۱۵	ماینفع الناس	عملیات	"
۱۱۶	فیض عمیم	"	"
۱۱۷	اوراد مسنونہ	"	"
۱۱۸	القول الفصیح فی ذکر المهدی والمسیح	مناظرہ	اردو
۱۱۹	عقد المرجان فی ذکر الحیتان	معلومات	عربی
۱۲۰	زبدة الاقوال فی صلات الافعال	قواعد نحویہ	"
۱۲۱	مجموعہ ادعیہ وفوائد بے بہا	وظیفہ	اردو

وصیت نامہ

(از فضائل بسم اللہ)

فقیر اپنی اولاد و احفاد اور اپنے متوسلین و متعلقین کو وصیت کرتا ہے کہ ہمیشہ بعد نماز فجر بعد تلاوت قرآن مجید کے تھوڑی دیر لطیفہ قلب سے اسم ذات ذکر کریں۔ بعد اس کے ذکر نفی و اثباتِ کا کریں۔ اگر موقع ملے تو بعد نماز مغرب کے بھی تھوڑی دیر تک مشغولی رکھیں، کسی ذکر میں کپڑا اوڑھنا یا آنکھ بند کرنا مشروط و ضروری نہیں ہے۔ محض جمعیت خاطر کے واسطے شارع سے صرف وقت تلقین ذکر کے آنکھ بند کرانا ماثور و مروی ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ان کا بیان ہے، دل بیاد دوست بکار کا خیال رکھنا ضروری بات ہے، ذکر خفی کے وقت سر و دیگر اعضاء کو حرکت ہو اور بعد ذکر قلبی کے ذکر لسانی کا ہونا بھی ضروری اور مفید ہے۔

پس اوراد مرشد کا ایک مرتبہ خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ پڑھ لینا ذکر جہر کا فائدہ بخشے گا انشاء اللہ

بعد اس کے تین سو آٹھ مرتبہ یا رزاق اور اکتالیس بار
یا باسط اور گیارہ سو بار یا مغنی اور اکتالیس بار یا عزیز
جل جلالہٗ پڑھ کے اپنے دونوں کف دست پر دم
کر کے اپنے چہرہ پر ہاتھ مل لیویں۔ اس کے بعد ہزار بار
یا پانچ سو بار یا تین سو تیرہ بار یا اگر فرصت نہ ہو تو ایکبار
نہایت ضروری ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھیں۔
اور استغفر اللہ العظیم بھی اسی قدر پڑھ لیں اور سوا اس کے
جس قدر ممکن ہو ورد کرے درود شریف جتنا ہو سکے پڑھ
لیا کریں، مختصر درود شریف زیادہ پڑھنے کے واسطے یہ
کافی ہے اللھم صل علی محمد و آلہ وسلم درود شریف
کی کثرت سے دماغ پراگندہ نہیں ہوتا نہ مزاج میں گرمی
پیدا ہوتی ہے بلکہ تراوٹ اور خنکی دل و دماغ میں محسوس
ہوتی ہے اور رنج و غم دور ہو کر تمام مشکلات آسان ہو جاتی
ہیں پھر سورہ فاتحہ ایک بار سورہ اخلاص تین بار پڑھ کر
تمام مشائخ کے ارواح پر بخشدیں کہ اس سے بڑی قوت
و مدد اور خاص فیض پہونچتا ہے جس کے بیان کی حاجت اور
تفصیل کی ضرورت نہیں ع ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

اور ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی ضرور پڑھ لیا کریں اور بعد اسکے اپنے کاموں میں مشغول ہوں۔

(فضائل سیم الظفر)

مذکورہ بالا وصیت کا تعلق علمیات و اوراد سے ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ والد محترم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتب خانہ کے متعلق وصیت فرمایا تھا کہ میرے بعد کتب خانہ کی کتابیں ترکہ میں تقسیم نہ کیجائیں اس سے کتب خانہ کی نوعیت بدل جاتی ہے، بہت سے کتب خانے تقسیم ترکہ کے سبب برباد ہو گئے۔ ہاں جس کو ضرورت ہو کتب خانہ میں بیٹھ کر مطالعہ کرے۔ اگر سفر میں کتابوں کو لے جانے کی ضرورت ہو تو وہی ضرورت کی کتابیں کہیں سے خرید لے۔ کتب خانہ کی کتابیں منتقل نہ ہوں۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ مثلاً کسی کو مشکوٰۃ لیجانے کی ضرورت ہے اور دوسرے کو بھی اسی کتاب کی ضرورت ہو تو یہ چیز اختلاف کا سبب بنے گی۔

چنانچہ حضرت مولانا کے تمام ورثاء نے اس وصیت پر عمل کیا اور کتب خانہ بفضلہ اب تک محفوظ ہے۔

ذکر اولاد معہ تاریخ ولادت

اُمینہ خاتون ۔	پیدائش	۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ
ابو المفاخر محمد عبد الآخر	"	۲۳ رمضان ۱۳۱۳ھ
فخر الاسلام محمد حماد اسم تاریخی منظور حسن	"	۱۹ شوال ۱۳۱۴ھ
سکینہ نفیسہ	"	۱۵ جمادی الاولےٰ ۱۳۱۵ھ
بدر الاسلام عبد الباطن اسم تاریخی مظفر محمود	"	۲۳ رجب ۱۳۱۸ھ
عبد السلام اسم تاریخی محمد ظل رحمٰن	"	یکم ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ
قرۃ العین حسّانہ	"	۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ
سُقّانہ	"	۲۶ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ
محمد فاخر	"	۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ
محفوظہ	"	۱۳ شوال ۱۳۳۱ھ
محمد عبد الآخر	"	۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ
شیما	"	۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

اسرار کریمی پریس الہ آباد طبع شدہ

تصانیف مولانا عبدالباطن صاحب

القول المتین فی شرح اربعین — قیمت ۴ر
اس رسالہ میں چالیس حدیثیں معتبر کتب احادیث سے جمع کی گئی ہیں۔ ترجمہ سلیس اردو میں ہے ہر حدیث کے ضروری فوائد بھی شامل ہیں، عورتوں، ناقص، کے اعمال و اخلاق کی درستگی کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

القول المحکم فی تبدیل الخطبۃ بلسان العجم — قیمت ۴ر
اس رسالہ میں دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ خطبہ جمعہ و عیدین عربی ہی زبان میں مسنون ہے دوسری زبان میں پڑھنے سے سنت ادا نہ ہوگی

مقالات حکمت — قیمت ۲ر
اس رسالہ میں بزرگوں اور حکماء کے ناصحانہ و مفید جملوں کو جمع کیا گیا ہے اس کا مطالعہ خاموش استاد کا کام دیتا ہے۔

نفیانۃ الدائن — قیمت ۴ر
یہ مدلل فتویٰ ہے جس میں شئے مرہون سے نفع حاصل کرنے کو جائز ثابت کیا گیا ہے۔

سیرت مولانا کرامت علی — قیمت عمر

انجیل برنباس — قیمت ۴ر

منیجر بیت الامن ملا ٹولہ جونپور